



اپریل 2011ء

- ☆..... ملعون پادری آخری حد بھی پار کر گیا مگر.....؟ (اداریہ)
- ☆..... تعلیم حکمت (باب الحدیث)
- ☆..... قانون قصاص انسانیت کی بقا کا ضامن ہے
- ☆..... گستاخ رسول واجب القتل ہے
- ☆..... استقامت عمل جائز ہے یا ناجائز؟
- ☆..... اسلام بمقابلہ عیسائیت
- ☆..... شادی بیاہ کے موقع پر غیر شرعی رسومات
- ☆..... دارالافتاء.....
- ☆..... ایصالِ ثواب کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف کرنا کیسا ہے؟

جامعہ نظریۃ رضویہ

لاہور 042-37665030 شیخوپورہ 056-3786428



آغیہ تار شون اللہ علیک الصلوٰۃ والسلام
النظامیہ
 علمی، ادبی، تحقیقی مجلہ
 لاہور
 شیخوپورہ

جلد نمبر 11 شماره نمبر 4

اپریل 2011ء

مدیر اعلیٰ
محمد اکرام اللہ
 0300-6212350

زیر سرپرستی
 جانشین مفتی اعظم پاکستان صاحبزادہ
محمد عبدالمصطفیٰ انصاری
 علامہ
 جامعہ نظامیہ رضویہ

مدیر اعلیٰ
 ابو الحسن
محمد طاہر تبسم قادری
 0300-9439464

عام شاعت
 حافظ نصیر احمد ہزاروی
 صاحبزادہ
 0300-9415300

معاون مدیر
 ابو الفضل
محمد رمضان سیالوی
 0321-8429060

لاہور کے
 دفتر مجلہ النظامیہ
 جامعہ نظامیہ رضویہ
 لوہاری گیٹ لاہور
 042-7665030

سرکاری فیچر
 صاحبزادہ
غلام مرتضیٰ ہزاروی
 0300-4270963
 اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے
 کہ آپ کا زور سالانہ ختم ہو چکا ہے

ممبر شپ فیس
 پاکستان سالانہ بذریعہ ڈاک
 250 روپے
 قیمت فی شمارہ 20 روپے

نوٹ: ادارہ "مجلہ النظامیہ" کا مضمون نگاری رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

مدیر اعلیٰ
جامعہ نظامیہ رضویہ
 اندرون لوہاری
 دروازہ لاہور
 042-7657314

حسن ترتیب

صفحہ	عنوان
	حمد باری تعالیٰ
۳	اقبال عظیم
	نعت رسول مقبول ﷺ
۴	علامہ اقبال علیہ الرحمۃ
	ملعون پادری آخری حد بھی پار کر گیا مگر.....؟ (اداریہ)
۵	مولانا محمد طاہر تبسم قادری
	باب الحدیث (تعلیم حکمت)
۷	شیخ الحدیث علامہ مفتی محمد صدیق ہزاروی
	قانون قصاص انسانیت کی بقا کا ضامن ہے
۱۰	مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ
	گستاخ رسول واجب القتل ہے
۲۳	شیخ الحدیث میر ابو النصر بابا جی منظور احمد شاہ
	اسقاط حمل جائز ہے یا ناجائز؟
۲۸	شیخ الحدیث مفتی محمد اشرف قادری
	اسلام بمقابلہ عیسائیت
۳۱	علامہ سعید محمد عامر آسوی حسینی نقشبندی
	شادی بیاہ کے موقع پر غیر شرعی رسومات
۳۹	ذاکرنوریہ فیاض
	آپ کے دینی مسائل اور ان کا حل
۴۶	ابوالفضلا مفتی محمد رمضان سیالوی

حمد باری تعالیٰ مزوجہل (جناب اقبال عظیم صاحب)

نام میں تیرا عقیدت سے لیے جاتا ہوں
ہر قدم پر تجھے سجدے بھی کئے جاتا ہوں
کوئی دنیا میں میرا موٹس و غنوار نہیں
تیری رحمت کے سہارے جیئے جاتا ہوں
آزمائش کا محل ہو کہ مسرت کا مقام
سجدہ شکر بہر حال کئے جاتا ہوں
زندگی نام ہے اللہ پر مرنے کا
یہ سبق سارے زمانے کو دیئے جاتے ہیں ج
مہر کرنا ہے تیری شان کریں کو عزیز
میں بھی سوچ کے آنسو بھی پیئے جاتا ہوں
ہر گھڑی اس کی رضا پیش نظر ہے اقبال
شکر ہے، ایک سلیقے سے جیئے جاتا ہوں

بسم الله الرحمن الرحيم

اداریہ

مدیر اعلیٰ کے قلم سے

ملعون پادری آخری حد بھی پار کر گیا مگر.....؟

ملعون امریکی پادری ٹیری جونز کے بالآخر امت مسلمہ کی بے حسی اور امریکی حکومت کی مجرمانہ غفلت سے شہ پاک پر قرآن پاک کو نذر آتش کرنے کی ناپاک جسارت کر ڈالی۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس سے بڑی کاروائی یا اُن کے عقائد پر اس سے بڑا حملہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ یہ آخری حد تھی جسے جنونی پادری نے کر اس کیا۔ مگر حریف صدحیف! حسب روایت اس بار بھی عالم اسلام کی طرف سے وہ ردِ عمل سامنے نہ آیا جو آنا چاہیے تھا، مسلم علما ان یوں بے حمیت و بے غیرت بن کر خاموش ہیں (الاماشاء اللہ) جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ او۔ آئی۔ سی کے مردہ کھوڑے کے جسم میں ذرہ برابر جبری بھی نہیں آئی۔ خادم الحرمین الشریفین بڑے فخر سے کہلوانے والوں کے کان پر بھی جوں تک نہیں رہتی۔ حالانکہ سعودی حکومت کو فوراً مکہ المکرمہ میں اسلامی سربراہی کانفرنس بلا کر اس معاملے کا سخت نوٹس لینا چاہیے تھا، تمام مسلم ممالک امریکی سفیروں کو نکال دیتے اور ملعون پادری کی حواگی یا پھانسی تک سفارتی تعلقات منقطع کر دیتے۔ مگر

”ایں خیال است و محال و جنون“

جنہیں اقتدار کے ساتھ ساتھ اپنی جان کے لالے پڑے ہوں، جو اپنی کرسیاں بچانے کے لئے امریکہ کی طرف دیکھتے ہوں، جو امریکہ یا اس کے زیر اثر چلنے والے مالیاتی اداروں کی امداد کے سہارے زندہ ہوں اُن سے غیرت دینی یا حمیت اسلامی کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے۔ اگر اس نام کی کوئی شے ان کے اندر ہوتی تو جب پہلی مرتبہ اس ملعون نے قرآن پاک کو حدف تنقید بنایا تھا اور اسے جلانے کی بات کی تھی اسی

نعت مرسل مقبول ﷺ

(علامہ اقبال علیہ الرحمۃ)

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتب!
کند آگینہ رنگ تیرے محیط بھی حباب!

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب!

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر مجید و بایزید تیرا جمال بے نقاب!

شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب!

حیرت نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو عشق حضور و اضطراب

☆☆☆.....☆☆☆.....☆☆☆

وقت انہیں اس کا بندوبست کرنا چاہیے تھا، اگر اس وقت سخت رد عمل دکھایا جاتا اور امریکی حکومت کو اسے لگام دینے پر مجبور کیا جاتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتے۔ وطن عزیز کے حکمرانوں اور اشرافیہ کے بارے میں تو یہ محاورہ صادق آتا ہے ”اؤنٹ رے اؤنٹ تیری کون سی کل سیدھی“ پاکستانی حکومت کے شاہکار اور صدر پاکستان کی نایاب دریافت وزیر داخلہ عبدالرحمن ملک کی منطق یاد رکھنی ملاحظہ فرمائیے آپ فرماتے ہیں کہ ”ٹیری جوز القاعدہ اور طالبان کا ایجنٹ ہے“ اسے کہتے ہیں ”شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار“ اس پر صرف یہی تبصرہ کیا جاسکتا ہے۔ شرم تم کو گرا آتی نہیں۔

اب تو عامۃ المسلمین میں یہ احساس شدت سے پیدا ہو رہا ہے کہ اگر خدا خواستہ دشمنان اسلام روضہ رسول ﷺ یا کعبۃ اللہ پر حملہ کر دیں تو امت کی کشتی کے یہ نام نہاد خدا عین بیچھنور کے اُسے چھوڑ کر فرار ہو جائیں گے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

لیکن اے فرزند ان اسلام، اے غلامان رسول عربی ﷺ آزمائش کی گھڑی ہے صبر و ہمت سے کام لو، استقامت کا مظاہرہ کرو، خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ، اپنے خدا اور پیارے مصطفیٰ پہ یقین رکھو، ہمارا خدا کمزور نہیں ہے صرف ہماری صفوں میں ایجنٹ گھس گئے ہیں۔ اٹھو اور نکال دو اپنی صفوں سے سامراج کے ان کرداروں کو، اغیار کے وفاداروں کو، امت کے خدایوں کو، اور بن جاؤ مصداق:

خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

پھر ان شاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ہمارے شامل حال ضرور ہوگی۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو

اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

☆☆☆ ☆☆☆ ☆☆☆

باب الحدیث

تعلیم حکمت

شیخ الحدیث مفتی محمد صدیق ہزاروی

عن ابن عباس (رضی اللہ عنہما) قال قال رسول اللہ ﷺ نعمة العطية ونعمة الهدية كلمة تسبعا فتتطوى عليها ثم تحملها الى اخر لك مسلم تعلمه ايها تعدل عبدة سنة - (طبرانی)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کیا ہی اچھا تحفہ ہے اور کیا ہی اچھا ہدیہ ہے حکمت کی بات جسے تم نے سنا اور یاد کر لیا پھر اسے اپنے مسلمان بھائی تک پہنچایا اور اسے سکھایا یہ (عمل) ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

اسلام میں علم کی بہت زیادہ اہمیت ہے کیونکہ اسی سے خالق و مالک کی پہچان حاصل ہوتی ہے اور اسی سے اپنی ذات اور مخلوق خدا سے متعلق حقوق کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ گویا جو شخص علم کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پہچان رکھتا ہے اور یہی پہچان ان حقوق کی ادائیگی کا راستہ دکھاتی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے درجات کی بلندی کا ذکر فرمایا جو دولت ایمان کے بعد علم کے نور سے اپنے سینوں کو منور کرتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

يرفع الله الذين امنوا منكم والذين اوتوا العلم درجات - (المجادلة: 11)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور اہل علم کے درجات کو بلند کرتا ہے۔

علم ہی انبیاء کرام کی میراث ہے حدیث شریف میں ہے کہ انبیاء کرام درہم اور دینار بطور وراثت نہیں چھوڑتے بلکہ وہ علم کی میراث چھوڑتے ہیں۔ اگرچہ علم اور عالم کی فضیلت میں متعدد آیات اور بے شمار احادیث مبارکہ مروی ہیں لیکن ایک عالم کے لئے اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ وہ انبیاء کرام کا وارث قرار پاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کلمہ حکمت یعنی علم اور دانائی کی بات بہترین عطیہ اور نہایت عمدہ تحفہ ہے دوسری حدیث میں اسے مؤمن کی گمشدہ میراث قرار دیا آپ نے فرمایا:

الكلمة الحكمة ضالة الحكمم فحيث وجدها فهو احق بها - مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۴

ترجمہ: حکمت، حکیم یعنی دانا آدمی کا کشدہ مال ہے وہ اسے جہاں بھی پائے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔

محدثین کرام فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات کوئی ایسا شخص حکمت بھری گفتگو اور علمی بات کرتا ہے جو اس کا اہل نہیں ہوتا پھر وہ اس کے اہل تک پہنچتی ہے تو اس کا اصل حق دار وہی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے علمی کلام کو سن کر یاد رکھنے اور پھر دوسروں تک پہنچانے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص اسے سن کر یاد رکھتا ہے، پھر اپنے مسلمان بھائی تک پہنچاتا ہے، اسے تعلیم دیتا ہے تو اس کا یہ عمل ایک سال کی عبادت کے برابر ہے۔ گویا علم سے متعلق تین باتوں کا حکم دیا گیا۔ پہلی بات علم حاصل کرنا، دوسری بات اسے یاد رکھنا اور تیسری بات اسے دوسروں تک پہنچانا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے ایسے شخص کو قابلِ رشک قرار دیا جس کو علم کی دولت ملتی ہے اور وہ اس کے ساتھ فیصلہ کرتا اور دوسروں کو سکھاتا ہے آپ نے فرمایا:

لا حسد الا في الثمنين رجل اتاه الله مالا فسلطه على هلكته في الحق ورجل اتاه الله الحكمة فهو يقضي بها ويعلمها۔

ترجمہ: دو آدمی قابلِ رشک ہیں ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ مال عطا فرما کر اسے راہ حق میں خرچ کرنے کی توفیق دیتا ہے اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ علم دین عطا کرتا ہے وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا اور اسے دوسروں تک پہنچاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے تعلیم و تعلم کو نفلی عبادت سے بہتر قرار دیا کیونکہ فرض عبادت تو ہر شخص پر لازم ہے گویا جو شخص فرض عبادت کے بعد اپنا وقت علم حاصل کرنے سے یاد رکھنے اور دوسروں تک پہنچانے میں خرچ کرتا ہے وہ نفلی عبادت کر نیوالے سے افضل ہے کیونکہ محض عبادت گزار علم نہ ہونے کی وجہ سے بھٹک سکتا ہے لیکن صاحبِ علم فرائض، واجبات اسی طرح حلال و حرام سے آگاہ ہوتا ہے۔ اور اگر وہ معلم ہو تو اس کے علم کا نفع دوسروں تک بھی پہنچتا ہے اور وہ عبادت گزار نہیں ہوتا دوسروں کو بھی عبادت کی راہ دکھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کرام نے جہاں لوگوں کی روحانی اصلاح کا فریضہ انجام دیا وہاں ان تک علم بھی پہنچایا وہ ایک طرف مرشد کا کردار ادا کرتے تھے تو دوسری طرف ایک معلم کی شکل میں بھی نظر آتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی سعادت ہے اور قربِ خداوندی کا ذریعہ ہے لیکن جب رسول اکرم ﷺ مسجد نبوی میں تشریف لاتے ہیں اور ایک جماعت کو ذکر میں اور دوسرے گروہ کو تعلیم و تعلم

میں دیکھتے ہیں تو دونوں کی تحسین فرماتے ہیں لیکن اس کے بعد اپنے عمل سے علمی مجلس کو ترجیح دیتے ہوئے اس گروہ کے ساتھ تشریف فرما ہو جاتے ہیں۔ اس لئے دینی مدارس کا وجود اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے جہاں ہر وقت قال اللہ اور قال الرسول کی صداکیں بلند ہوتی ہیں اور ان اداروں سے فیض یافتہ لوگ امت مسلمہ کو علم کی دولت سے مالا مال کر کے حق و باطل کے درمیان امتیاز، حلال و حرام کے درمیان تمیز، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پہچان کراتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

وما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسون بينهم الا نزلت عليهم السكينة وغشيتهم الرحمة وحفتمهم الملائكة

وذكرهم الله فيمن عندنا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص: ۳۳)

ترجمہ: جب کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے اور اس کے درس و تدریس میں مشغول ہوتے ہیں تو ان پر سکون نازل ہوتا ہے رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور رحمت کے فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان فرشتوں میں ان کا تذکرہ کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں۔

اس لئے اگر علم کی دنیا سے وابستہ افراد نبوی مال و متاع کی اس فراوانی سے محروم بھی ہوں جو دیگر لوگوں کو حاصل ہوتی ہے تو انہیں اس بات کی مسرت ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس قسم کے اعزازات عطا فرماتا ہے اور ان کی عظمت کے لئے یہی بات کافی ہے۔ امت مسلمہ کا فرض ہے کہ جہالت کی تاریکیوں کو دور کرنے کے لئے علم کی شمع روشن کریں اور ایسا علم جو اللہ تعالیٰ کی پہچان کرادے، اور مخلوق کے ساتھ بھلائی کی راہ دکھائے حاصل کرنے کے لئے تمام اسباب کو بروئے کار لائیں تاکہ ایک صالح معاشرہ کا قیام عمل میں آئے اور ظلم و ستم کا خاتمہ ہو کر عدل و انصاف کا یول بالا ہو اور بے حیائی اور فحاشی کے کلچر کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔

☆☆☆.....☆☆☆.....☆☆☆

قانون قصاص

انسانیت کی بقا کا ضامن ہے

تحریر: مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ
قصاص، لغت میں مماثلت اور مساوات کو کہتے ہیں (۱)۔

اصطلاح شرع میں، قصاص کا معنی، عمدۃً قتل یا قطع اعضاء کے بدلے میں امکانی حد تک مساوات کو برقرار رکھتے ہوئے، مجرم کے ساتھ وہی کارروائی کرنا جو اس نے کی ہو (۲)۔

یہ کارروائی اگر جان کے بدلے ہو تو اس کو قصاص بالنفس کہتے ہیں۔ اس میں ہر جان مساوی جان ہے۔ کیونکہ حر، عبد، مرد، عورت، بچہ اور بوڑھا سب جانیں مساوی ہیں (۳)۔

اگر یہ کارروائی قطع اعضاء کے بدلے ہو تو اس کو قصاص مادیون النفس کہتے ہیں اس میں مساوات کے لیے ذمہ یا قطع کی کیفیت اور کمیت کا بھی اعتبار ہوگا (۴)۔

انسانیت کی تاریخ کو قتل ناحق کا مسئلہ درپیش رہا ہے۔ کیونکہ یہ ایک فطری امر ہے کہ بسا اوقات انسان کسی ناپسندیدہ امر پر غضب میں حد اعتدال سے بڑھ جاتا ہے اور غیظ و غضب کی حالت میں اس کا آگ والا عنصر بھڑک اٹھتا ہے جس کی بناء پر اپنے ہوش و حواس پر کنٹرول نہ کرتے ہوئے مخالف کو قتل کر دیتا ہے۔ اس حقیقت کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوں بیان فرمایا:

ان الغضب جمرۃ فی قلب ابن آدم اما رایتہم الی حمرة عینہ و انتفاخ او

راجہ (۵)

یعنی غصہ انسان کے دل میں آگ کا چمکاڑا ہے تم اس کی آنکھوں کی سرفی اور گلے کی رگوں کا پھولنا کیا نہیں دیکھتے۔

یہ امر واضح ہے کہ آگ کا شعلہ جب بے قابو ہوتا ہے تو پھر ماحول کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔ یہ اس طرح کہ قتل کے جواب میں مقتول کے اولیاء بھی جب اپنے جذبات کی تسکین کی خاطر یہی کارروائی کرتے ہوئے حد سے تجاوز کر جاتے ہیں تو پھر فریقین اپنی اپنی عصبیت میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیتے ہیں جس کی لپیٹ میں پورا معاشرہ آ جاتا ہے اور اس کا امن و سکون ختم ہو کر رہ جاتا

ہے۔ اس مضمون کو قرآن نے یوں بیان فرمایا ہے:

من قتل نفسا بغير نفس او فسادا فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا۔ (۶)

یعنی جس نے بغیر استحقاق کسی کو قتل کر دیا گویا اس نے پورے معاشرے کو قتل کر دیا۔

کیونکہ معاشرہ افراد کے مجموعہ کا نام ہے جبکہ انسانی افراد اپنے طبعی اور فطری تمدن کی بناء پر ایک دوسرے کے کام آتے ہیں اور آپس میں تعاون کرتے ہیں۔ لہذا جس نے معاشرہ کے ایک فرد کو قتل کیا تو اس نے گویا ایک جز کو کاٹ کر معاشرہ کو ناقص کر دیا۔ اس طرح قاتل پورے معاشرہ کا مجرم اور پورا معاشرہ مقتول کا ولی قرار پاتا ہے (۷)۔ جب کہ فطری طور پر کوئی بھی اپنے قاتل کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے ساتھ برداشت نہیں کر سکتا اس لیے قاتل کے معاشرتی وجود کو ختم کرنا معاشرے کا فطری حق بن جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں معاشرہ اپنے افراد کے تحفظ میں کوشاں رہا اور ناحق قتل کو روکنے کی تدابیر اختیار کرتا رہا۔ چنانچہ ما قبل اسلام دور جاہلیت میں معاشرہ نے اپنی تدبیر سے کبھی قاتل کے لیے مالی سزاتجویز کی اور تاوان کا قانون وضع کیا (۸) مگر اس قانون نے مالدار فریق کو جہاں قتل کی جرأت دی وہاں اس نے تاوان وصول کرنے والے فریق کو بھی قتل کی گنجائش دی۔ کبھی قتل کی سزا، یہ مقرر ہوئی کہ قاتل خاندان کی مستورات مقتول کی ورثاء کے سپرد کر دی جائیں (۹) تاکہ وہ اپنے انتقامی جذبات کو قاتل کی بجائے اس کی مستورات پر سر دکرے۔ مگر اس قانون کا نتیجہ یہ نکلا کہ قاتل فریق اپنی مستورات پر تشدد دیکھ کر مزید مشتعل ہوا اور دوبارہ قتل کا راستہ اختیار کیا۔ یا مستورات حاصل کر لینے کے باوجود مقتول کے ورثاء نے جب قاتل کو دیکھا تو مشتعل ہو کر قاتل کو قتل کر دیا۔ یوں دوبارہ قتل کا راستہ چل نکلا، کبھی معاشرہ نے قتل ناحق کو روکنے کے لیے قاتل کو بالکل معاف کر دینے کا قانون بنایا تاکہ قاتل شرم کر کے آئندہ قتل سے باز رہے اور اصلاح پذیر ہو جائے (۱۰)۔ اس قانون کی بناء پر قاتل شرمائے یا نہ شرمائے مگر اس میں مقتول کے ورثاء کے جذبات ضرور مشتعل ہوں گے جب قاتل کو وہ زندہ دیکھیں گے تو مشتعل ہو کر اس کو قتل کریں گے خصوصاً جب معافی حاصل ہو جانے کا احساس موجود ہو۔

دور جاہلیت میں قتل ناحق کی سدباب کے لیے جو قانون مشہور اور مسلمہ قرار دیا جاتا تھا وہ جوابی قتل کا قانون تھا۔ چنانچہ ان کے ہاں۔

القتل اول للاول، القتل النفي للقتل، قتل البعض احياء للجميع۔

محاورے اور مقولے مشہور تھے (۱۱) جن کا معنی ہے:

قتل کاسد باب قتل سے ہوتا ہے اور بعض کا قتل باقی لوگوں کی بقاء ہے۔

مگر اس قانون میں جوابی قتل کا کوئی معیار مقرر نہ ہونے کی بناء پر جوابی کارروائی حد سے تجاوز کر جاتی اور ظلم و تعدی کا راستہ کھل جاتا جس کے جواب میں دوسرا فریق پھر جوابی کارروائی کا حق محفوظ رکھتا اس طرح یہ سلسلہ دونوں فریق عمر بھر جاری رکھتے چنانچہ یہود کا قبیلہ بنی نضیر بمقابلہ بنی قریظہ اسی طرح نصاریٰ کا قبیلہ بنی خزرج بمقابلہ اوس۔ صدیوں تک ایک دوسرے کو قتل کرتے رہے۔ کیونکہ ان مقابلوں میں ایک فریق طاقتور اور دوسرا کمزور تھا جس کی وجہ سے طاقتور فریق قتل بدل میں کمزور فریق کے ساتھ زیادتی کرتا کہ اپنے ایک کے بدلے کمزور فریق کے دو یا عورت کے مقابلہ میں مرد، غلام کے مقابلہ میں آزاد کو قتل کرتا اور کمزور فریق کو عکس یعنی ان کے دو کے مقابلہ میں ایک مرد، مرد کے مقابلہ میں عورت اور آزاد کے مقابلہ میں غلام پر مجبور کرتے۔ نتیجتاً کمزور فریق اس ظلم کے ازالہ کے لیے کوشاں رہتا اور جوابی کارروائی کرتا۔ یوں یہ سلسلہ ہر دو فریق میں پشت در پشت جاری رہا۔ (۱۲)

جبکہ زمانہ جاہلیت کی طرح موجودہ دور میں بھی معاشرتی طور پر مذکورہ بالا قوانین کے علاوہ بعض نے پھانسی کی سزا نافذ کر رکھی ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ احتیاط بھی لازم کی ہے یہ پھانسی پردے میں ہوتا کہ لوگوں میں وحشت پیدا نہ ہو اور بعض نے پھانسی کے اس طریقہ کو بھی وحشی قرار دیتے ہوئے اس کو ختم کر دیا اور اس کی بجائے قید کو قتل کی سزا مقرر کیا ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ قاتل کی موت سے مقتول زندہ نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے ورثاء کو کوئی فائدہ ہو سکتا ہے۔ لہذا قاتل کو قصاص میں قتل کرنے یا موت کی سزا دینے میں قوم کے مزید ایک فرد کو ضائع کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ جب کہ ہو سکتا ہے کہ بعد میں یہ شخص قوم کے کام آئے۔

اس کے علاوہ موجودہ دور میں قتل و غارت کو روکنے کے لیے نفسیاتی اقدامات بھی نافذ کیے جاتے ہیں مثلاً بازاروں اور محلوں میں مسلح دستے مقرر کیے جاتے ہیں یا عوام کو مسلح کرنے کے لیے اسلحہ لائسنس اور اسلحہ ڈپو عام کر دیے جاتے ہیں تاکہ عوام اپنا دفاع خود کریں اور قاتل اسلحہ سے ڈر کر قتل کے اقدام سے باز رہے۔ مگر ان تمام تدابیر کے باوجود قتل و غارت کا بازار گرم ہے اور روزانہ سینکڑوں ناحق قتل ہو رہے ہیں۔

غرضیکہ انسان کے وضع کردہ تمام قوانین قتل کو روکنے میں غیر موثر ثابت ہوئے ہیں بلکہ یہ قوانین فریقین میں مزید اشتعال پیدا کرنے کا باعث بنے جس کی وجہ سے قتل و غارت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ان قوانین کی ناکامی اس لیے ہوئی کہ یہ قوانین انسانی فطرت اور اس کے طبعی تقاضوں سے موافقت نہیں رکھتے کیونکہ ان قوانین کے وضع کرنے والے انسانی فطرت اور اس کی مشنری سے ناواقف حضرات تھے۔

جبکہ کوئی ایسا قانون مؤثر نہیں ہو سکتا جس میں انسانی فطرت اور اس کے طبعی تقاضوں کو پیش نظر نہ رکھا گیا ہو (۱۵)۔ چنانچہ قتل ناحق کے سد باب کے لیے تمام انسانی قوانین میں یہی کمزوری ہے جو مشترکہ ہے۔ غیر شرعی سزاؤں کی کمزوری کی بناء پر مجرم ان غیر فطری سزاؤں سے بچنے کے لیے حیلے تلاش کر لیتے ہیں کیونکہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کا توڑ کوئی بھی انسان کر سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قانون بنانے والے انسان تمام امکانات کا احاطہ نہیں کر سکتے جبکہ مجرم نئی سے نئی تکنیک کے پیش نظر انسانی قانون میں رخسہ پیدا کر لیتا ہے لیکن فطرت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ شرعی قوانین چونکہ فطری اور طبعی ہیں لہذا ان میں رخسہ نہیں پیدا کیا جاسکتا۔

اس حقیقت کے پیش نظر قاتل اور مقتول کے ورثاء کے فطری احساسات کا اگر جائزہ لیا جائے تو واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ دونوں جس احساس کا شکار ہیں وہ احساس انتقام ہے۔ مقتول کے ورثاء میں انتقام لینے کا احساس ہے جبکہ قاتل کو انتقام سے بچنے کا احساس ہے۔ دونوں کا یہ احساس فطری ہے اور دونوں فریق اس میں طبعی طور پر مبتلا ہیں۔

تیسرا فریق جو انتقام سے لائق ہے وہ خواہ کتنا ہی مؤثر اور سزا دینے میں با اختیار ہو، قاتل کو اس سے خوف ہے نہ ڈر ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ فوری انتقام سے بچنے کے لیے قاتل بسا اوقات سزا دینے والے تیسرے فریق کی تحویل میں اپنے آپ کو دے دیتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ تیسرے فریق سے سزا یافتہ ہونے کے باوجود وہ یا اس کا خاندان، مقتول کے ورثاء کے جوش انتقام سے خوف زدہ رہتا ہے۔ اسی طرح مقتول کے ورثاء کو بھی تیسرے غیر متعلق فریق کی کسی کارروائی سے اطمینان نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کا جوش انتقام سرد ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تیسرے فریق کی طرف سے قاتل کو موت کی سزا مل جانے کے باوجود یہ لوگ قاتل کے خاندان والوں کو قتل کرنے کے درپے رہتے ہیں اور قاتل فریق بھی ان کے جوش انتقام سے خوف زدہ رہتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قاتل اور مقتول دونوں فریقوں میں احساس انتقام وہ بنیادی امر ہے جس کا

علاج، قیام امن کے لیے ضروری ہے ورنہ اس کے ازالہ کے بغیر سخت سزا بھی فریقین کو فساد سے نہیں روک سکتی۔ لہذا آئندہ قتل و غارت کو روکنے کے لیے قاتل فریق کا خوف اور مقتول فریق کا جوش ختم کرنا ضروری ہے۔

تو اس کے خاتمہ کا فطری طریقہ یہ ہے کہ جوش انتقام کو ختم کرنے کے لیے سزا کا حق مقتول کے ورثاء کو دے کر قاتل کو ان کے اختیار میں دے دیا جائے تاکہ قاتل اور اس کے خاندان کی بے بسی مقتول کے ورثاء کے سامنے واضح ہو جائے۔ اس موقع پر فطری طور پر دو ہی صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں کہ مقتول کے ورثاء شدت جذبات اور جوش انتقام کی بناء پر قاتل کو قتل کرنے کا فیصلہ کریں گے یا وہ مخالف فریق کو اپنے سامنے بے بس اور شرمسار پا کر تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے جوش کو رحم و کرم میں بدل دیں گے کیونکہ مخالف کو باخلوص شرمسار اور بے بس پا کر انسان فطری طور پر غصہ اور درگزر کا مظاہرہ بھی کرتا ہے (۱۶)۔ کیونکہ جوش کا یہی مطلوب تھا جو حاصل ہو گیا جبکہ حصول مطلوب پر سکون اور ٹھہراؤ فطری امر ہے۔ اس لیے ایسے موقع پر انتقام پورا کر لینے یا معافی دے دینے کے دونوں احتمال موجود ہوتے ہیں۔

انتقامی جوش اور خوف کو ختم کرنے کے اس فطری طریقہ میں دونوں فریقوں کا نہ صرف احساس انتقام ختم ہوگا بلکہ قاتل کی جان بچ جانے کا احتمال بھی موجود ہے۔

لیکن اس پہچانی کیفیت میں قاتل کو اولیاء مقتول کے سامنے پیش ہونے میں خوف مانع ہے اور دوسری طرف قاتل کے پیش ہو جانے پر اولیاء مقتول کے صبر و اعتدال کے لیے ان کا جوش مانع ہے۔

تو اس کے لیے ایک تیسرے فریق کی خدمات درکار ہیں جو انتقام سے لاتعلقی اور اولوالا امر ہو تاکہ وہ قاتل کو پیش کرنے اور اولیاء مقتول کو اعتدال پر رکھنے کا انتظام کرے اور خیال رکھے کہ بدلے کی عملی کارروائی میں مماثلت اور مساوات کے خلاف کوئی کام نہ ہو، حادثہ قتل سے متعلق دونوں فریقوں کے فطری جذبات اور ان کے فطری علاج، کے معیار کو پیش نظر رکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ انسانوں کے وضع کردہ تمام قوانین غیر معیاری ہیں کیونکہ ان سب میں یہ کمزوری مشترک ہے کہ ان میں فریقین کے احساس انتقام کا پاس نہیں رکھا گیا بلکہ سزا کا حق ایک تیسرے فریق کو دے دیا گیا ہے جو جذبات انتقام سے لاتعلقی ہونے کی بناء پر قاتل کو سزا دینے میں خارجی دباؤ یا لالچ کا شکار ہو سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس سے قاتل کو ڈر ہے اور نہ ہی اولیاء مقتول کو اطمینان ہے۔ اس لیے ان قوانین کے تحت قاتل کو موت کی سزا دے دی جائے تو بھی اس سے قاتل کی جان رائیگاں جانے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا کیونکہ ابھی تک اس فتنہ کی بنیاد احساس انتقام باقی ہے جس کی وجہ سے دونوں فریق ایک دوسرے کے تعاقب میں مصروف اور قتل و غارت کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں۔

جبکہ اسلام نے انسانی قوانین کے مقابلہ میں جو قانون پیش کیا ہے وہ نہ صرف مؤثر ہے بلکہ اس میں بھی دیگر اسلامی قوانین کی طرح معاشرتی ضرورت اور انسانی فطرت کو ملحوظ رکھا گیا ہے (۱۷)۔ جس کی بناء پر حادثہ قتل سے متعلق دونوں فریق مطمئن ہو جاتے ہیں اور آئندہ کے لیے معاشرہ میں فتنہ و فساد کی بنیاد ختم ہو جاتی ہے۔ یہ طبعی اور فطری قانون قصاص ہے۔

یا ایہام الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی۔ (۱۸)

ترجمہ اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے۔

قانون قصاص:

یہ ہے کہ حکومت ثبوت قتل کے بعد قاتل کو اولیاء مقتول کے سامنے پیش کر کے ان سے مجرم کو قتل یا معاف کرنے کا فیصلہ حاصل کرے۔ اگر اولیاء مقتول مجرم کو قتل کرنے کا فیصلہ دیں تو پھر حاکم اس کو قتل کرنے کا ایسا انتظام کرے کہ قتل کی یہ کارروائی قاتل کی کارروائی کے مساوی ہو اور کوئی تعذیب اور زیادتیاں نہ ہو اور اگر اولیاء مقتول معاف کرنے کا فیصلہ دیں تو جس شرط پر معافی دی گئی ہو اس شرط کو پورا کرنے کا اہتمام کرے۔

قصاص کی معنوی خصوصیات:

قصاص کا معنی یہ ہے کہ اولیاء مقتول کے کہنے پر، مقتول جان کے بدلے قاتل کی جان، کے ساتھ وہی کارروائی کرنا جو اس نے کی ہو، یوں قصاص کے معنوی اجزاء تین ہیں جن کو قرآن نے علیحدہ علیحدہ بیان کر کے ان کو عدل کی بنیاد قرار دیا ہے۔ قصاص کے معنی کی پہلی جز اولیاء مقتول کا فیصلہ ہے۔

معنی کی اس جز کو قرآن نے دوسری آیت میں واضح فرمایا

من قتل مظلوما فقد جعلنا لولہ سلطانا۔ (۱۹)

یعنی جو شخص ظلماً قتل کیا گیا ہو تو قاتل کے بارے فیصلہ اولیاء مقتول کے اختیار میں ہے۔

قصاص کی دوسری جز مقتول جان کے بدلے قاتل کی جان، اس جز کو قرآن نے یوں بیان فرمایا:

النفس بالنفس۔ (۲۰)

دونوں پر الف لام، لاکر پہلے نفس سے قاتل اور دوسرے نفس سے مقتول کی طرف اشارہ فرمایا۔ یعنی مقتول کی جان کے بدلے قاتل ہی کی جان لی جائے گی۔

اسی مفہوم کو دوسرے الفاظ میں بیان فرمایا کہ:

فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم۔ (۲۱)

یعنی جس نے تم پر زیادتی کی ہے تم اسی سے اتنا بدلہ لو۔

قصاص کی تیسری جز وہی کارروائی کرنا جو اس (قاتل) نے کی ہو۔ اس کو واضح فرماتے ہوئے ایک مقام پر فرمایا:

ان عاقبتهم فاعقبوا بمثل ما عوقبتهم به۔ (۲۲)

یعنی تم پر جتنی زیادتی ہوئی تم اسی کی مثل کارروائی کرو۔ اس معنی کی دوسری آیت میں یوں فرمایا:

فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم۔

یعنی جس نے جتنی زیادتی کی تم اس کے خلاف اتنی ہی کارروائی کرو۔

ان تین اجزاء کے تحقق سے جہاں قصاص کا مفہوم مکمل ہوا وہاں عدل کا معنی بھی کامل ہو گیا۔ یوں قاتل اور مقتول فریقین کے فطری جذبات کو ملحوظ رکھتے ہوئے قانون قصاص اور اس کی معنوی خصوصیات نے اصل مرض یعنی احساس انتقام کا علاج کر دیا۔

ایک طرف اولیاء مقتول کے پر جوش انتقامی جذبہ کو سرد کرنے کے لیے قاتل کو ان کے سامنے عاجز اور بے بس کر دیا اور ان کو اختیار دے دیا کہ وہ قاتل کو قتل کریں یا معاف کریں، جب کہ دشمن کی بے بسی اور عجز کے مقابلہ میں اپنا تقویٰ اور برتر اور با اختیار ہونا انسان کے انتقامی جذبات کو فطری طور پر ختم کر دیتا ہے۔ (۲۳)

دوسری طرف اولیاء مقتول پر یہ پابندی لگا کر وہ صرف قاتل کی کارروائی کے برابر ہی اس کے خلاف کارروائی کر سکتے ہیں اس سے زائد کسی اور کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے، قصاص کی اس خصوصیت نے قاتل فریق کے خوف کا علاج کر دیا۔ کیونکہ صرف قاتل کو اس کی کارروائی کے

مطابق قتل کرنا عدل کا تقاضا ہے جس کو تسلیم کرنا انسانی فطرت ہے اور اس تک وہ لا جواب اور غیر مشتعل ہے کیونکہ انتقام کا جذبہ ظلم اور تعدی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جس کا یہاں شائبہ تک نہیں۔ لہذا عدل کی حد تک اس کارروائی نے قاتل فریق سے خوف انتقام کو ختم کر کے اس کو آئندہ کے لیے بے فکر کر دیا۔

اور اسی طرح اگر اولیاء مقتول معاف کرنے کا فیصلہ کریں تو یہ ان کے جذبہ انتقام کے خاتمہ کا واضح ثبوت ہے کیونکہ انتقام اور احسان دو متضاد چیزیں ہیں جو بیک وقت جمع نہیں رہ سکتیں۔ جب کہ معافی نے دوسرے فریق کو مہمون احسان کر کے، اس کے خوف کو جاریہ تشکر سے بدل دیا۔ غرضیکہ قانون قصاص نے احساس انتقام کا خاتمہ کر کے دونوں فریقوں کو مطمئن کر دیا اور اس حادثہ قتل کی بناء پر آئندہ کے لئے فتنہ اور فساد کا سد باب کر دیا اور معاشرہ کو تحفظ عطا کر دیا۔

جبکہ غیر اسلامی تمام قوانین اس فطری مرض کے فطری علاج سے عاری ہونے کی بناء پر فریقین میں قتل و غارت کے سبب کو باقی رکھتے ہیں جس سے معاشرہ کے امن کو خطرہ لاحق رہتا ہے۔

خالق فطرت نے ”ولکم فی القصاص حیوة“ فرما کر اس میں پانچ اعلانات فرمائے۔

- ۱۔ قتل سے محفوظ زندگی صرف قصاص میں ہے۔
- ۲۔ ہر قصاص میں جہت ہے۔
- ۳۔ قصاص کی بناء پر حاصل ہونے والی حیات نہایت معظم ہے۔
- ۴۔ قصاص کثیر جہات کا باعث ہے۔
- ۵۔ قصاص میں ایک خاص قسم کی حیات ہے۔

ان اعلانات کی ترتیب وار وضاحت یوں ہے:

پہلا اعلان:

پہلا اعلان میں حصر اور تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ فی القصاص حیوة میں طرف مقدم ہے جس سے حصر اور تخصیص صفت بالموصوف حاصل ہوتی ہے جیسا کہ لا فیہا غول میں فرمایا گیا ہے کہ نشہ کا نہ ہونا صرف جنتی شراب کی خصوصیت ہے۔ باقی تمام شرابوں میں نشہ ہے (۲۴)۔ اسی طرح یہاں بھی خصوصیت کا اعلان فرمایا گیا کہ حیوة یعنی بقاء انسانیت صرف قصاص میں ہے۔ یعنی

حیات و بقاء انسانیت کا واحد راستہ قصاص کے نظام کا نفاذ ہے۔ اس کے بغیر کوئی طریقہ (قاتل کو پھانسی، قید، جرمانہ، معافی، اسلحہ کی تقسیم یا پھرہ سخت کرنا) قتل و غارت کو نہیں روک سکتا۔

یہی مفاد اس آیت سے یوں بھی حاصل ہوتا ہے کہ فی القصاص حیوة، میں فی القصاص کو حیات کے لیے ظرف قرار دیا گیا ہے۔ جب کہ ظرف محل ہوتا ہے اور مفعول حال ہوتا ہے یعنی جس طرح کوئی حال محل کے بغیر نہیں پایا جاسکتا اسی طرح انسانیت کی بقاء بھی نظام قصاص کے بغیر محفوظ نہیں رہ سکتی۔

دوسرا اعلان:

دوسرا اعلان کہ ہر قصاص میں حیات ہے، یہ جامعیت القصاص کے الف لام استغراقی سے حاصل ہوتا ہے (۲۵)۔ ہر قصاص میں حیات اس لیے کہ قصاص اولیاء مقتول کا حق ہے۔ ان ہی کے فیصلہ پر قاتل کو قتل کیا گیا ہے وہ اسی لیے مطمئن ہو گئے اور قاتل کو مجرم ہونے کی حیثیت سے برحق قتل کیا گیا ہے۔ لہذا قاتل کے ورثاء کو بھی اعتراض کا حق نہیں اور قصاص کے نفاذ کے یقین پر، دیکھنے والے حضرات بھی پر امن رہیں گے۔ لہذا قصاص کا ہر فرد مفید ہوگا اور عوام میں تحفظ کے یقین کا موجب ہوگا اور کبھی بھی قصاص کی بناء پر قتلہ پیدا نہ ہوگا۔

تیسرا اعلان:

تیسرا اعلان یہ کہ قصاص میں عظیم حیات ہے کیونکہ حیوة کو کمرہ لایا گیا ہے اور تکبیر میں عظمت کا معنی پایا جاتا ہے۔ (۲۶) جیسے فقد تحذیثت رسل میں رسل کی تکبیر سے عظمت کا معنی حاصل ہوتا ہے۔ تو معنی یہ ہوگا کہ قصاص میں عظیم الشان حیات ہے کیونکہ قصاص میں نہ صرف قتل کی روک تھام ہوگی بلکہ اس سے قاتل اور مقتول دونوں کے خاندانوں اور قبیلوں میں خوف انتقام ختم ہو جائے گا اور ایک دوسرے کے خلاف سازش میں مصروف رہنے کی بجائے بے خوف و خطر اور باہمی اعتماد سے اپنے اپنے کاروبار میں مصروف رہ کر اپنی مادی اور روحانی زندگی کو کامیاب بنائیں گے اور دنیا و آخرت دونوں زندگیوں میں بھلائی سے ہمکنار ہوں گے۔

چوتھا اعلان:

چوتھا اعلان یہ تھا کہ قصاص سے کثیر التعداد زندگیاں حاصل ہوں گی۔ کیونکہ "حیوة" کی تکبیر سے تکبیر کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے جیسے ان لا بلاوان لغت میں تکبیر تکبیر کے لیے ہے

(۲۷) اور معنی یہ ہے کہ اس کی بکریاں اور اونٹ کثیر تعداد میں ہیں، یہاں بھی اسی طرح تکبیر حاصل ہوگی اور وہ اس طرح کہ جب قاتل بننے والے نے قصاص کے خوف سے ارادہ قتل ترک کر دیا تو وہ قصاص میں قتل ہونے سے بچ گیا اور مقتول بننے والا بھی بچ گیا اور زندہ رہ گیا۔ اسی طرح ان دونوں کی عصبیت اور حمایت میں دو قبیلوں اور خاندانوں کی جنگ و قتال کا خطرہ بھی ٹل گیا جس سے اس جنگ میں ضائع ہونے والی بہت سی جانیں زندہ رہ گئیں جس طرح یہ تمام لوگ دنیاوی زندگی میں محفوظ رہے اسی طرح وہ لوگ قتل اور غارت گری سے محفوظ رہ کر اخروی زندگی میں بھی عذاب سے بچ گئے۔ اس طرح قانون قصاص میں زندگیوں کی کثرت پائی گئی۔

پانچواں اعلان

پانچواں اعلان ہے کہ قصاص میں ایک خاص قسم کی حیات ہے۔ نوعیت کا یہ معنی بھی "حیوة" کی تکبیر سے مستفاد ہے۔ کیونکہ تکبیر نوعیت کے بیان کے لیے بھی آتی ہے۔ جیسے "علی ابصلہم غشاوة" میں غشاوة کی تکبیر نوعیت کے لیے ہے۔ یعنی کفار کی آنکھوں پر ایک قسم کا پردہ ہے۔ (۲۸)

اس طرح یہاں بھی قصاص میں حیات سے انسانیت کی بقاء مراد ہے۔ یعنی ایجاد حیات نہیں بلکہ بقاء حیات مراد ہے اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کی ایجاد سے اس کی بقاء مقصود ہوتی ہے۔ ورنہ ایجاد بے مقصد قرار پاتی ہے۔ لہذا انسانیت کی تخلیق اور ایجاد کے مقابلے انسانیت کی بقاء زیادہ اہم ہے جب کہ انسانیت کی بقاء معاشرہ کی بقاء ہے تو آیت کا معنی یہ ہوا کہ قصاص میں معاشرہ کی بقاء ہے۔ گویا اس آیت کریمہ "فی القصاص حیوة" میں پانچ طریقوں سے واضح کیا گیا کہ قانون قصاص انسانیت کی بقاء کا ضامن ہے۔ بلکہ حصر اور خصوصیت سے ثابت ہوا کہ قتل و غارت سے نجات کا ضامن صرف قانون قصاص ہے۔

لہذا مسلمان ہونے کی حیثیت سے تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے مقابلے میں خالق تعالیٰ کے قانون قصاص کی حقانیت اور افادیت پر یقین رکھیں اور اسی کو قتل عام کے سد باب کے لیے موثر جانتے ہوئے نافذ کریں تاکہ ملک و ملت کو جلد از جلد غارت گری سے نجات مل سکے۔

عقلی طور پر "قصاص ہی انسانیت کی بقاء کا ضامن" قرار پاتا ہے۔

کیونکہ قتل کا سبب غیظ و غضب کی شدت ہوتی ہے۔ جبکہ غیظ و غضب انسان کے آگ والے عنصر کا مظہر ہے۔ اس آگ کی شدت کو ختم کرنے کے لیے برودت یعنی ٹھنڈک کی ضرورت ہے جب کہ خوف، برودت کا مظہر ہے..... کیونکہ خوف میں انسان کے خون پر جمود طاری ہو جاتا ہے..... جس کی بناء پر اعضاء پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور اس کا رنگت زرد پڑ جاتا ہے۔

لہذا قاتل کو قصاص سے باز رکھنے کے لیے خوف میں مبتلا کرنا ضروری ہے تاکہ اس خوف کی وجہ سے اس کا غیظ و غضب ٹھنڈا پڑ جائے اور یہ بات عقلی طور پر مسلم ہے کہ سب سے بڑا خطرہ اور خوف انسان کو اپنی جان کی فکر پر ہوتا ہے اور جان کی فکر قانون قصاص کے نفاذ کے یقین سے ہی پڑ سکتی ہے۔ لہذا جب قاتل کو ارادہ قتل کے وقت یہ یقین ہو جائے کہ مجھ پر قصاص کا قانون نافذ ہوگا تو وہ لازمی طور پر اپنی جان کی فکر میں مبتلا ہو کر سوچ کو تبدیل کر لے گا۔

فی الْقِصَاصِ حَيٰوَةٌ عِلْمٌ بِبَلَاغَتِیْ رُشْنٰی مِیْن

اس آیت کو یرہ کوفن بلاغت میں خاص مقام حاصل ہے۔ وہ اس لیے کہ عربوں کے ہاں بھی یہ بات مسلم تھی کہ قتل کی روک تھام قتل کی سزا سے ہی ممکن ہے۔ اگرچہ وہ اس میں افراط و تفریط کا شکار تھے۔

وہ اس مفہوم کو ایک مختصر اور جامع کلام سے ادا کرتے تھے جس کو وہ فصاحت و بلاغت میں ضرب المثل قرار دیتے تھے۔ یہ مختصر اور جامع کلام "القتل انفی للقتل" تھا۔ (۲۹) مگر اس کے مقابلہ میں قرآن نے جو کلام استعمال کیا ہے وہ زیادہ فصیح و بلیغ ہے جس کو سن کر نصحاء عرب دنگ رہ گئے۔

فن بلاغت میں ان جملوں کا موازنہ کیا گیا ہے (۳۰)

اس موازنہ میں "القتل انفی للقتل" کے مقابلہ میں قرآنی جملہ "فسی القصاص حیوة" میں دس خوبیاں پائی جاتی ہیں۔

ان میں سے پانچ خوبیاں معنوی اور پانچ لفظی ہیں۔

معنوی خوبیاں:

آپ پانچ اعلانات کی صورت میں سن چکے ہیں یعنی حصہ و تخصیص، جامعیت، عظمت حیات کثرت حیات اور نوعیت حیات۔ جن پر قرآنی آیت مشتمل ہے جب کہ یہ معنوی خوبیاں "القتل

انفی للقتل" میں نہیں پائی جاتیں کیونکہ "القتل انفی للقتل" کے جملہ میں خبر مقدم نہیں کی گئی تاکہ حصہ و تخصیص کا فائدہ حاصل ہو اور اس میں مسند الیہ مکرہ نہیں تاکہ اس سے تعظیم، بحسب یا نوعیت کا فائدہ حاصل ہو سکے اور جامعیت اس لیے نہیں کہ "القتل انفی للقتل" میں قصاص کی بجائے قتل کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جبکہ قتل بطور قصاص اور بطور ظلم بھی ہو سکتا ہے جب یہ بطور ظلم ہو تو پھر قتل کے لیے ثانی ہونے کی بجائے داعی ہوتا ہے جبکہ لفظ قصاص میں داعی قتل ہونے کا احتمال قطعاً نہیں ہو سکتا کیونکہ قصاص کا معنی ہی یہ ہے کہ قاتل کو بدلہ میں مساوات اور مماثلت کے طور پر قتل کرنا۔

لفظی خوبیاں:

آیت میں لفظی پانچ خوبیاں جو ان کے کلام میں نہیں ہیں وہ یہ کہ "القتل انفی للقتل" کے مقابلہ میں "فسی القصاص حیوة" میں جن الفاظ کا تلفظ ہے وہ گیارہ ہیں جبکہ القتل انفی للقتل کے الفاظ چودہ ہیں۔

دوسری خوبی یہ ہے کہ آیت قرآنی میں مطلوب کی صراحت ہے کیونکہ قصاص کا مقصد محض قتل نہیں بلکہ اس کا مقصد حیات اور بقاء ہے۔ جبکہ القتل انفی للقتل میں حیات کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں دفع قتل کا ذکر ہے حالانکہ آیت میں حیات صراحتاً مذکور ہے۔

تیسری خوبی یہ ہے کہ "فسی القصاص حیوة" اپنے معنی مرادی کو ادا کرنے میں کامل ہے جس میں کوئی زائد لفظ بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے جبکہ "القتل انفی للقتل" میں "انفی" اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ جس کے لیے منفضل علیہ کی ضرورت ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس معنی کو مکمل کرنے کے لیے منفضل علیہ پوشیدہ اور مقدر ماننا پڑے گا یعنی القتل انفی للقتل من غیرہ کہیں تو اس جملہ کا معنی مکمل ہوگا۔

چوتھی خوبی یہ ہے کہ قرآنی آیت میں کسی لفظ کا تکرار نہیں ہے جب کہ القتل انفی للقتل میں لفظ قتل کا تکرار ہے۔

پانچویں خوبی یہ ہے کہ آیہ کریمہ فن بلیغ کے محتات سے "مطابقت" پر مشتمل ہے جس سے کلام میں حسن پیدا ہوتا ہے (۳۱)۔

مطابقت کسی کلام میں دو متضاد معانی کو جمع کرنے کو کہتے ہیں (۳۲) چنانچہ آیت میں

قصاص اور حیوة دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے اور یہ دونوں متضاد معانی ہیں، کیونکہ قصاص، مخصوص قتل کا نام ہے اور قتل کا معنی ازالہ حیات ہے۔ لہذا حیات اور ازالہ حیات کو آیت میں جمع کر دینے سے مطابقت پائی گئی ہے۔ جب کہ القتل النفی للقتل اس خوبی سے خالی ہے کیونکہ اس میں قتل کے مقابلہ میں قتل کو ذکر کیا گیا ہے۔

خالق کائنات کا ناحق قتل و غارت کو روکنے کے لیے قصاص کو قانون قرار دینا اور پھر اس قانون کو فصاحت و بلاغت کی انتہائی بلند یوں پر فائز کر کے زوردار انداز میں بیان فرمانا انسان کو دعوت فکر دیتا ہے کہ انسانی معاشرہ کے قیام اور اس کی بقاء اور تحفظ کا ضامن صرف قانون قصاص ہے۔ اس کامل اور ضامن قانون کو نظر انداز کر کے ناقص قوانین کو اختیار کرنا عقل و دانش کے خلاف ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ولکم فی القصاص حیوة یا اولی الالباب فرما کر اہل عقل و دانش کو خطاب فرمایا۔ وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

حوالہ جات

- ۱۔ تلباب التاویل المعروف تفسیر خازن، ج ۱، ص ۱۰۶۔ ۲۔ احکام القرآن، جصاص، ج ۱، ص ۱۳۳۔
- ۳۔ فتاویٰ قاضی خان، ج ۲، ص ۸۰۲۔ ۴۔ فتاویٰ قاضی خان، ج ۳، ص ۷۹۸۔ ۵۔ جامع الترمذی، ص ۳۱۹۔
- ۶۔ قرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۳۳۔ ۷۔ تفسیر قرطبی، جلد ۶، ص ۱۴۷۔
- ۸۔ تلباب التاویل (خازن) ج ۱، ص ۱۰۶۔ ۹۔ ایضاً، ۱۰۔ ایضاً، ۱۱۔ احکام القرآن (جصاص)، ج ۱، ص ۱۵۹۔
- ۱۲۔ ایضاً، ۱۳۔ تفسیر مظہری، ج ۱، ص ۱۷۷۔ ۱۴۔ ایضاً، ۱۵۔ التشریع الجنائی (عبد القادر عودہ)، ج ۱، ص ۵۳۷۔
- ۱۶۔ التشریع الجنائی (عبد القادر عودہ)، ج ۱، ص ۵۳۹۔ ۱۷۔ التشریع الجنائی (عبد القادر عودہ)، ج ۱، ص ۵۳۹۔ ۱۸۔ قرآن، سورۃ بقرہ، آیت ۱۷۸۔ ۱۹۔ قرآن، سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۲۳۔
- ۲۰۔ قرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۳۵۔ ۲۱۔ قرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۱۹۳۔ ۲۲۔ سورۃ النحل، آیت ۱۲۶۔
- ۲۳۔ التشریع الجنائی (عبد القادر عودہ)، ج ۱، ص ۵۳۹۔ ۲۴۔ مختصر البعانی، علامہ تفتازانی، ص ۸۱۔ ۲۵۔ ایضاً
- ۲۶۔ ایضاً، ۲۷۔ ایضاً، ۲۸۔ ایضاً، ۲۹۔ تلخیص المفتاح، عبد الرحمن قزوینی، ص ۳۳۔ ۳۰۔ ایضاً
- ۳۱۔ ایضاً، ۳۲۔ دروس البلاغہ، ص ۱۳۱۔

☆☆☆.....☆☆☆.....☆☆☆

گستاخ رسول واجب القتل ہے

شیخ الحدیث پیر ابوالنصر بابا جی منظور احمد شاہ مدظلہ،

بانی جامعہ فریدیہ ساہیوال

قیام امن کے پیش نظر براہ راست تصادم سے بچنے کا حل یہ ہے کہ ایسے ملزم کو عدالت سزائے

موت دے۔

عظمت نبوت

الوہیت کے بعد سب سے بڑا مقام نبوت کا ہے جس کا تقاضا ہے کہ اُسے تحفظ دیا جائے اور خود قرآن کریم نے مشرکوں کے قتل کا حکم دیا ہے۔ "واقتلوا المشرکین" اور "قاتلوا ائمة الکفر" کے ارشادات سے واضح ہے کہ ملت اسلامیہ کے فرزندوں کو تو حید کے تحفظ کا حکم دیا گیا اور اس کے تحفظ کا طریقہ بھی بتا دیا گیا ہے۔ ایسے ہی ملت اسلامیہ کو رسالت و نبوت کی تقدیس قائم کرنے کا بھی حکم ہے اسلام نے کفر کو اجازت دی ہے کہ اپنے دائرہ میں رہ کر چلے مگر جو نبی بغاوت اختیار کرے تو کچلنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسلام کسی کو جبراً مسلمان بنانے کا شوق نہیں رکھتا، نہ اس کا یہ دستور ہے بلکہ "لا اکراہ فی الدین" کے اعلان سے آزادی دیتا ہے لیکن اس آزادی کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی شخص رسالت کے خلاف دریدہ فحش کر لے تو اُسے کھلا چھوڑ دیا جائے اس لئے کہ رسالت کی توہین اور بے حرمتی اللہ کے دین بلکہ پوری امت کی بے حرمتی اور توہین ہے۔ لہذا امتی کا فرض ہے کہ جب اپنے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی سنے تو جان لے لے یاد دے دے اور ہر دور میں عظمت رسالت کے پیش نظر ایسا ہوتا چلا آیا ہے ہاں ملک کے اندر قیام امن کے پیش نظر براہ راست تصادم سے بچنے کا حل یہی ہے کہ ایسے ملزم کو عدالت سزائے موت دے۔

شفاء شریف قاضی عیاض میں ہے، خلیفہ ہارون رشید نے جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے توہین رسالت کرنے والے کا حکم پوچھا تو آپ نے فرمایا: بقاء الامۃ بعد سب نبیہا۔ (اس امت کی کیا زندگی ہے جس کے نبی کو گالیاں دی گئیں۔)

حضرت حافظ ابن تیمیہ کے دور میں ایک عیسائی نے حضور ﷺ کو گالی دی تو آپ نے اس

عنوان پر چھ سو صفحات پر کتاب الصارم المسلمول لکھی جس میں دلائل سے ثابت کیا کہ گستاخ رسول کی سزا قتل ہے۔ اس کتب کی مقبولیت سارے عالم اسلام میں ہے۔

یاد رہے کہ فتح مکہ کے بعد وہاں کے بدترین اخلاقی مجرموں کو بھی ”لا تشریب علیکم اليوم“ کی نوید سنائی گئی مگر ساتھ ہی ایک اچھی خاصی تعداد کے افراد کا خون مبارح (جائز) قرار دے دیا گیا اور ان کی گرفتاری کا حکم دے دیا گیا انہیں کیوں نہ معاف کیا گیا؟ یہ بھی تو مکہ مکرمہ کے ہی مجرم تھے ان کے قتل کا سبب کفر کے ساتھ گستاخی رسول بھی تھا کہ جگہ جگہ تو بین آمیز تقریر کرتے بھوکے اشعار گاتے۔

جس قدر دین کی تقدیس اور معصومیت ہے اس سے کہیں زیادہ اُس کے لانے والے کی عظمت ہے کہ دین اسلام کے فروغ کا باعث ذات مصطفیٰ ﷺ ہی ہے۔ پہلے حضور ﷺ کی جلوہ گری اور پھر اسلام کا ظہور ہے۔ پہلا بہر حال پہلا ہی ہوتا ہے۔

کوہ صفا کا پہلا خطبہ بھی اس عنوان پر واضح حجت ہے آپ نے اہل مکہ سے پہلی بات جو فرمائی تھی ”هل وجدتموني صادقا او كاذبا“ (مجھے تم نے سچا پایا یا جھوٹا؟) پہلے اپنی شخصیت صداقت اور امانت کا ذکر فرمایا پھر اسلام کی دعوت دی۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اسلام کے باغی (مرتد) کو قتل کیا جائے اور اسلام کے لانے والے محبوب ﷺ کے گستاخ کو چھوڑ دیا جائے گستاخ رسول کے قتل کا اسلامی فیصلہ دوہرا نہیں کہ صرف حضور ﷺ کے لئے یہ بات ہو اور کسی دوسرے نبی کے لئے ایسا نہ ہو بلکہ ہر رسول کی گستاخی کی سزا قتل ہی ہے ہاں خود رسول ﷺ کسی کو معاف کر دے یہ الگ بات ہے کسی کو حق نہیں کہ وہ رسول ﷺ کے گستاخ کو معاف کر دے۔ افراد عدالتیں، سبھی کے سبھی اسی ضابطہ کے پابند ہیں۔

گستاخان رسول کا قتل دور نبوی ﷺ میں

۱..... عبداللہ ابن نطل کو خلاف کعبہ کے پیچھے سے نکال کر مقام ابراہیم اور زمزم کے درمیان قتل کر دیا گیا (بخاری شریف ۲۳۹۱..... ۶۱۴۲) یہ شخص حضور ﷺ کی بھو میں تقریریں کرتا اور اشعار گاتا تھا۔

۲..... اسی مقدس مدنی دور میں گستاخ رسول کعب بن اشرف کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ (مسلم شریف ۱۱۰۲) حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر مکمل سکوت رہا، اگر یہ قتل روح اسلام کے خلاف ہوتا، تو زبان رسالت اس پر خاموشی اختیار نہ کرتی۔

۳..... ابو رافع گستاخ رسول کو چند نوجوانوں نے قتل کیا۔
۴..... ایک گستاخ رسول کو ایک نوجوان نے قتل کیا۔ (مشکوٰۃ شریف ص: ۳۰۸)
۵..... عقبہ بن معیط کو اس کی گستاخیوں کے باعث ہی قتل کیا گیا جبکہ جنگ بدر کے باقی تمام قیدیوں کو فد یہ کے بعد رہا کر دیا گیا۔

۶..... بشر نامی منافق گستاخ رسول کو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ (تفسیر خازن تفسیر کبیر، روح المعانی)

۷..... فرتی اور قریبہ دونوں شاعرہ خواتین تھیں۔ حضور کی بھو میں محفلیں سچائیں اور اشعار گاتی تھیں، اسی گستاخی کے جرم میں ایک قتل کر دی گئی اور دوسری نے حاضر ہو کر معذرت کی اور اسلام قبول کر لیا۔ (فتح الباری ۸/۹)

۸..... سارہ نامی خاتون بھی بھوکرتی تھی، حاطب ابن ابی بلتعہ کا خفیہ خط لے کر مکہ جاری تھی قتل کی گئی، گستاخ تھی، شاعرہ تھی۔ (سیرۃ المصطفیٰ ج ۳)

۹..... جو ریث بن نفید کو گستاخی کی بنا پر ہی قتل کیا گیا اسے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ (زرقانی ۲/۳۱۵..... فتح الباری ۸/۹)

۱۰..... حمیس ابن صبابہ کو فتح مکہ کے بعد حضرت غیلہ ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔
۱۱..... عبداللہ بن سعد کے قتل کا حکم دیا گیا۔ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے رضائی بھائی تھے ان کی سفارش پر ان کی بیعت لی گئی اور معاف کر دیا گیا۔

۱۲..... بکرہ بن ابی جہل، ہمار بن اسود، وحشی بن حرب، کعب بن زہیر، عبداللہ بن زبیری، ہندہ بنت عقبہ ان سبھی کا خون مبارح قرار دیا گیا تھا (قتل کا حکم دے دیا تھا) مگر یہ سبھی باری حاضر ہو کر معافی مانگ کر مسلمان ہوتے رہے۔

زبان نبوت کا فیصلہ

۱۳..... سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حضور نے فرمایا ”من سب نبیا قتل“ (جس نے نبی کو گالی دی اُس کی سزا قتل ہے۔) (جامع صغیر علامہ سیوطی ۱/۳۶۲، فتح القدیر ۳/۱۹۴، شفا ۲/۲۱۲)

آئمہ کا متفقہ فیصلہ

۱۴..... محمد بن یحیٰ بن خنوف فرماتے ہیں: اجتمع العلماء ان شاتم النبی ﷺ المتنقص له

کافر و حکمہ عند الاثمة القتل -

(الشفاء ۲۱۶/۲، نیم الریاض ۳۳۸/۳، الدر المختار ۳۱۷/۳)
محمد بن سحنون فرماتے ہیں علماء کمالیہ مسئلہ پر اجماع ہے کہ حضور ﷺ کو گالی دینے والا کافر ہے اور اس کا حکم قتل ہے۔ چاروں ائمہ کرام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد، امام شافعی، سبھی اس فیصلہ پر متفق ہیں۔ (شامی ۳۲۱/۳)

۱۵..... امام ابو بکر بن منذر فرماتے ہیں اس پر علماء کا اجماع ہے کہ نبی کو گالی دینے والے کی سزا قتل ہے ان کے الفاظ یہ ہیں: قتال ابو بکر بن منذر اجمع عوام اهل العلم علی ان من سب النبی ﷺ یقتل (الشفاء ۲۲۱/۲)

۱۶..... من ابغض رسول اللہ ﷺ بقلبه کان مرتدا فالتساب، بطریق اولیٰ یقتل حدا عندنا۔ (فتح القدیر ۳۰۷/۳، فتاویٰ شامی ۳۱۹/۳)

آپ ﷺ کو گالی دینے والا مستحق قتل ہے

۱۷..... نبی ﷺ کے گستاخ اور گالی دینے والے کے مستحق قتل ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

(فتاویٰ شامی ۳۱۲/۳)

۱۸..... ولا خلاف بین المسلمین ان من قصد النبی ﷺ بذالك فهو ممن ینتعل الاسلام انه مرتد یمتنع القتل -

(فتاویٰ قاضی خان ۸۸۲/۳، احکام القرآن ص ۱۰۶/۳)

کسی مسلمان کو اس میں اختلاف نہیں کہ جس کسی نے حضور ﷺ کی توہین کا قصد کیا وہ مستحق قتل ہے۔

خلاصہ تحریر

اس اہم ترین نازک مسئلہ پر لکھے گئے مضمون کے خلاصہ کو خلاصۃ الفتاویٰ کی عبارت پر ختم کرتا ہوں درج ذیل عبارت محیط کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔

من شتم النبی ﷺ اهانہ او عابہ فی امور دینہ او فی شخصہ او فی وصف من اوصاف ذاته سواء کان الشتم او الاہانة او العیب صادرا عنه عمدا او سهوا و غفلة ان تلک لم یقبل توبۃ ابدا و حکمہ فی الشریعة القتل قطعاً مختصراً

(خلاصۃ الفتاویٰ ۲۸۶/۳، الشفاء ۲۱۲/۲)

ترجمہ: جس نے نبی کو گالی دی توہین کی عیب لگایا اس کے کسی دینی معاملہ میں ہو یا کسی ذاتی مسئلہ میں وہ گالی دینے والا نبی کی امت سے ہو یا کوئی اور اہل کتاب ہو، ذمی کافر ہو یا حربی یا گالی اُس نے بھول کر دی ہو یا قصد یا غفلت سے اس کا حکم قتل ہی ہے اُس کی توبہ بھی قبول نہیں۔

۲۰..... حضور ﷺ کو گالی دینا ارتداد ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے۔

۲۱..... اجمعت الامة علی قتل منقصہ وسابہ (الشفاء ۲۲۱/۲)

ترجمہ: حضور ﷺ کو گالی دینے اور نقص بتانے والا واجب القتل ہے۔

۲۲..... اجمع عوام اهل العلم ای کلہم علی من سب النبی ﷺ یقتل۔

ترجمہ: تمام اہل علم اس پر متفق ہیں حضور ﷺ کو گالی دینے والا قتل کر دیا جائے۔

۲۳..... حضور علیہ السلام کی توہین صریحاً یا اشارۃً ایسے تمام الفاظ گالی میں شمار ہوتے ہیں:

والحکم فیہ حکم الساب یقتل۔ اس میں فیصلہ یہی ہے ایسا شخص قتل کر دیا جائے۔

(الصارم السلول ص ۲۵۲، الشفاء ۲۱۲)

ایسے شخص کی توبہ بھی قبول نہیں۔ ائمہ مجتہدین کا یہی نظریہ ہے کہ جو بھی توہین رسالت کا مرتکب ہوا اُسے قتل کر دیا جائے کہ اس جرم کی حد ہی یہی ہے کسی بھی حد والے مجرم کی توبہ اس کی حد ہی ہے، امام بزاز بن ابی ہمام علامہ ابن زین، علامہ عمر بن نجیم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ، علامہ خیر الدین ربیع شیخ زادہ محمد بن علی غصصکفی رحمۃ اللہ علیہم نے بھی یہی نظریہ پیش کیا ہے۔

☆☆☆.....☆☆☆.....☆☆☆

﴿توجہ فرمائیں﴾

ہم اپنے تمام مضامین نگار حضرات سے ملتیں ہیں کہ براہ کرم اپنے مضامین انگریزی ماہ کی ۱۰ تاریخ تک دفتر مجلہ النظامیہ کو ارسال فرمادیا کریں تاکہ بروقت اشاعت ممکن ہو سکے۔ آپ اپنے مضامین بذریعہ ای میل بھی بھیج سکتے ہیں۔ ای میل اڈریس درج ذیل ہے۔

m_ikram_butt@yahoo.com

.....منجانب: ادارۃ مجلہ النظامیہ، لاہور/شیخوپورہ.....

اسقاطِ حمل جائز ہے یا ناجائز

شیخ الحدیث مفتی محمد اشرف القادری، ناظم اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ سہجرات جناب مفتی صاحب مندرجہ ذیل سوالات کا جواب شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں عنایت فرمائیں:

کیا دوسرے اور چوتھے مہینے میں اسقاطِ حمل جائز ہے؟ جبکہ دوسرے مہینے میں بچے کے دل کی دھڑکن نظر آ جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں بدنامی سے بچنے کے لیے ایسا کرنا قتل ہے۔ بعض کہتے ہیں اگلا بچہ چھوٹا ہو تو اسقاطِ حمل جائز ہے۔ اگر یہ قتل ہے تو ایسا کرنے والے پر کیا حکم ہے؟ بعض عورتوں کو حمل کے دوران شدید خون جاری ہو جاتا ہے، اگر حمل ضائع نہ کیا جائے تو ماں کی جان کو خطرہ ہوتا ہے لہذا اُس وقت جائز ہے۔ بعض کہتے ہیں تین ماہ کے اندر کر لیا جائے تو کوئی گناہ نہیں برائے مہربانی شریعت کی روشنی میں جدید تحقیق سے ان مسائل کی وضاحت فرمائیں۔

السائل: ڈاکٹر چوہدری محمد انور، سر جیکل ہسپتال، فتح پور

الجواب: بِغَوَاثِ الْعِلَامِ الْمُنْعَامِ الْوَهَّابِ

نطفہ یا حمل جو کہ اولاد کا سبب ہے اسے بلا عذر شرعی صرف تنگدستی کے خوف سے گرا دینا گناہ کبیرہ اور حرام ہے خواہ حمل میں جان پڑ چکی ہو یا نہ ایسا کرنے والے گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمَّا يَنْفَكُوا مِنْكُمْ تَرُدُّوهُمْ وَإِنَّا لَمُتَّعِينَ بِهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكُمْ لَعَاكِفُونَ“

ترجمہ: اپنی اولاد کو تنگدستی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم انہیں روزی دیں گے اور تمہیں بھی یقیناً ان کا قتل بڑی خطا ہے۔

البتہ کسی عذر شرعی مثلاً عورت کی جان کو شدید خطرہ ہو یا عورت کی گود میں دودھ پیتا بچہ جو حمل کی وجہ سے دودھ خشک ہو جائیگا، بچے کا باپ مالی کمزوری کی وجہ سے بچے کی پرورش کا متبادل انتظام نہیں کر سکتا۔ ہاں وجہ زبرد پرورش بچے کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو حمل میں روح پڑنے سے پہلے پہلے اسے گرانا جائز ہے روح پڑنے کے بعد جائز نہیں اور نہ ہی بدنامی سے بچنے کے لیے۔

حمل کے دوسرے مہینے اگر واقعی دل کی دھڑکن شروع ہو جاتی ہے تو اس کا سبب روح کے علاوہ کوئی اور ہوگا کیونکہ حمل میں روح ایک سو بیس دن مکمل ہونے پر پھونکی جاتی ہے۔

جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يُحْمَلُ خَلْقٌ أَحَدُكُمْ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً وَمِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً وَمِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللَّهُ إِلَيْهِ مَلَكًا بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَمُسْتَبْعَمَةً أَوْ جَلَّةً وَرِزْقَهُ وَشَقِيًّا أَوْ سَعِيدًا ثُمَّ يَنْفَعُ فِيهِ الرُّوحَ (۱)

ترجمہ: تمہارا مادہ تخلیق ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ کی حالت میں محفوظ رہتا ہے پھر اتنی ہی مدت (چالیس دن) تک جے ہوئے خون کی حالت میں رہتا ہے پھر اتنی ہی مدت (چالیس دن) تک لوتھڑے کی شکل میں رہتا ہے پھر اس کی طرف سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو چار چیزوں کے لیے بھیجتا ہے تو فرشتہ اس کا عمل لکھتا ہے اس کی موت لکھتا ہے اس کا رزق لکھتا ہے اور لکھتا ہے کہ وہ شقی ہوگا یا سعید پھر اس میں روح پھونکتا ہے۔

مسلم شریف میں بھی حضرت عبداللہ بن مسعود سے ہی مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ جو کہ صادق اور صدوق ہیں نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَحَدَكُمْ يُحْمَلُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا ثُمَّ يَكُونُ فِي ذَلِكَ عَلَقَةً وَمِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً وَمِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يُرْسِلُ اللَّهُ إِلَيْهِ الْمَلِكَ فَيَنْفَعُ فِيهِ الرُّوحَ (۲)

ترجمہ: بے شک تم میں سے ہر کسی کا مادہ تخلیق اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن محفوظ رکھا جاتا ہے پھر اس میں وہ (علقہ) یعنی جما ہوا خون بن جاتا ہے اتنی ہی مدت پھر وہ ”مضغہ“ یعنی لوتھڑا بن جاتا ہے اتنی ہی مدت، پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتا ہے تو وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔

امام ابن عابدین الثامی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

”وَيُحْمَلُ أَنْ تُشْفَى اسْقَاطُ الْحَمْلِ وَجَزَاءُ لَعْنَةٍ كَلَّمَتْ رُضْعَةً إِذَا ظَهَرَ بِهَا الْحَمْلُ وَانْقَطَعَ لَبَنُهَا وَلَيْسَ لِأَبِي الصَّبِيِّ مَا يَسْتَأْجِرُ بِهِ الْخَطَرُ وَيَخَافُ هَلَاكَ الْوَلَدِ قَالُوا يَا أَبَا نَسْرَةَ لَهَا أَنْ تُعَلِّقَ فِي اسْتِنْزَالِ الدَّمِ مَا دَامَ الْحَمْلُ مُضْغَةً أَوْ عَلَقَةً وَلَمْ يَخْلُقْ لَهُ عَضْوٌ وَقَدِّدُوا بِتِلْكَ الْمُدَّةِ بِوَالِدَيْهِ عَشْرِينَ يَوْمًا“ (۳)

ترجمہ: ”حمل کو گرانے کے لئے حاملہ کو دوائی استعمال کرنا مکروہ (تحریمی) ہے ہاں کسی عذر شرعی کی وجہ سے جائز ہے جیسے دودھ پلانے والی عورت کا جب حمل ظاہر ہوا اور حمل کی وجہ سے اس کا دودھ خشک ہو جائے اور بچہ کا باپ اجرت پر دودھ پلانے والی عورت کا بندوبست نہیں کر سکتا یا اس وجہ بچہ کی ہلاکت کا اندیشہ ہے فقہاء کرام نے اس عذر کی وجہ سے مباح (جائز) قرار دیا ہے کہ ایسی حاملہ عورت کہ جس کا حمل توڑ دیا جائے ہوئے خون کی صورت میں ہو اور اس کا کوئی عضو نہ بنا ہو حمل کو گرا دینے کے دوائی استعمال کرے فقہاء کرام نے اس کی مدت ایک سو بیس دن مقرر فرمائی ہے۔

لہذا مدت حمل ایک سو بیس دن مکمل ہونے سے پہلے پہلے کسی عذر شرعی کی وجہ سے حمل کو ساقط کرنا جائز اور بلا عذر مکروہ اور اس کے بعد کسی صورت جائز نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہ الاکرم ﷺ وآلہ وصحبہ و بک وسلم۔

☆☆☆.....☆☆☆.....☆☆☆

﴿بقیہ..... شادی بیابا کی غیر شرعی رسومات﴾

مدد کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ ان کاموں کے لئے بالکل صدقہ و زکوٰۃ نہ دیں میری تمام مسلمان بھائیو اور بہنوں سے گزارش ہے کہ ان بے ہودہ ناجائز رسموں کو چھوڑ کر اللہ کے بندے بن جاؤ اسلام کو بدنام نہ کرو اپنا پیسہ اور آخرت دونوں کو بچاؤ، یاد رکھو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”(بے شک تمہارا مال اور اولاد فتنہ ہے۔“)

اے نوجوان مسلم! محافظ ہے تو عورت کا عزت کا شرافت کا اور اپنے دین کی غیرت کا نہ کر غفلت تو ہو بیدار بڑا وقت کڑا ہے صلاح زن کا ذمہ تیرے ہی کاندھوں پہ پڑا ہے تو حیدر بن ابوبی بن یا پھر مرد مجاہد بن تیری عزت سر بازار ہے کر ہوش نہ غافل بن

اسلام بمقابلہ عیسائیت

علامہ سعید محمد عامر آسوی حسینی نقشبندی

عیسائیت:

مذہب ان مسیحیت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال و افعال اور سیرت طیبہ کے احوال ”عیسائیت“ کی اساس ہیں۔ چنانچہ ”دی امریکن پیپلز انسائیکلو پیڈیا“ (جلد ۵، ۱۹۶۰ء) کا گو میں درج ہے کہ!

Christianity: The religion founded by Jesus of Nazareth in the first century AD and centring in life, mission and message.

عیسائیت وہ مذہب ہے جس کی بنیاد پہلی صدی میں مسیح مصلیٰ نے رکھی اور جس کا محور ان کی زندگی، مقصد، حیات اور پیغام ہے۔

لیکن ان مذہب ان مسیحیت کے پاس حضرت مسیح علیہ السلام کی کوئی ایسی سیرت موجود نہیں جو عیسائیت کے معنی کے صحیح ہونے کیلئے کافی ہو۔ اسی لئے انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے مقالہ ”یسوع مسیح“ (Jesus Christ) میں لکھا ہے:

Any attempt to write a "Life of Jesus" should be frankly abandoned. The material for it certainly does not exist. It has been calculated that the total number of days in his life regarding which we have any record does not exceed 50.

درست بات یہ کہ حیات مسیح پر لکھنے کی کوشش ترک کر دی جائے۔ یقیناً اس کے لئے مواد موجود نہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہمارے پاس ان کی حیات (مقدس) کے پچاس (۵۰) دنوں سے زیادہ کے متعلق ریکارڈ موجود نہیں۔

ماضی قریب میں مشہور مبلغ ڈین انجی (Dean Inge) نے بھی اعتراف کیا ہے کہ

"No real biography of Jesus can ever be written"

مسیح کی کوئی حقیقی سوانح عمری کبھی نہیں لکھی جاسکتی۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ جدید عیسائیت کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت مقدسہ سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ بھلا جس قوم کے پاس اپنے مذہبی پیشوا کی زندگی کے ۵۰ دنوں سے زیادہ کاریکا رڈ ہی موجود نہیں اور جو ان کی حقیقی تعلیمات کو محفوظ ہی نہیں رکھ سکی وہ ان کی غلامی اور ان کے نقوش پر چلنے کا دعویٰ کیسے کر سکتی ہے۔

اسلام

اسلام کے معنی ہیں ”زمین پر سر رکھنا“ اور ولادت کے قانون عام کے مطابق انسان جب پیدا ہوتا ہے تو وہ سر کے بل پیدا ہوتا ہے۔ گویا زبان حال سے اعلان کرتا ہے کہ میں اسلام پر پیدا ہوا ہوں۔ اسی لئے حضور نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ:

کل مولود یولد علی الفطرة۔ (ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔)

لہذا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اسلام انسان کا پیدا ان کی دین ہے۔ پھر اسلام کے ہر حکم کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں دین اسلام کے احکامات قرآن حکیم کی شکل میں عطا فرمائے، ساتھ ہی ان کی تشریح و توضیح کے لئے اپنے پیارے نبی علیہ السلام کو بھی مبعوث فرمایا۔ اور حضور ﷺ نے اسلام کے ہر حکم کو عمل کے سانچے میں ڈھال کر کچھ ایسے حسین انداز میں پیش فرمایا کہ پھر کوئی ابہام، ابہام اور کوئی اشکال، اشکال نہ رہا۔ لہذا یہ کہنا عین حقیقت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افعال و فرمودات کا نام اسلام ہے۔ اور ہر مسلمان دین اسلام کے احکامات کی بہترین سمجھ بوجھ کے لئے سیرت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ہی کی طرف رجوع کرتا ہے۔

عیسائیت کے برعکس جہاں جناب عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقی تعلیمات سے آشنائی ناممکن ہے بانی اسلام ﷺ کی سیرت اقدس کا ہر ورق اجلا، ہر نقش زریں اور ہر پہلو روشن نظر آتا ہے۔ اور حضور ﷺ کے ماننے والوں نے آپ ﷺ کی ایک ایک ادا کو کچھ اس حسن اہتمام سے اپنے حافظوں اور کتابوں میں محفوظ کیا ہے کہ بڑے بڑے مغربی مفکر اور مستشرقین و رطہ حیرت کا شکار ہیں کہ کیا کسی ہستی کی زندگی کے مختلف اور باریک گوشوں کو اتنی خوبصورتی سے آئندہ نسلوں کی تعمیر سیرت کے لئے محفوظ کیا جاسکتا ہے۔

آج ہمارے پاس احادیث کا وسیع و مستند ذخیرہ ہے جس کی روشنی میں ہم حضور علیہ السلام کی تعلیمات و احکامات اور سیرت و کردار پر کھل کر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ اور ان احادیث کی صحت

اور جانچ پرکھ کے لئے اسماء الرجال کا وہ عظیم الشان فن معرض وجود میں آیا ہے جس کی نظیر دنیا میں کسی قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ جرمنی کے مشہور ڈاکٹر اسپرگر رقم طراز ہیں کہ!

”کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری ہے نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جن کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص کا حال معلوم ہو۔“

اس علم کی بدولت آج احادیث کا قائل قدر اور با اعتماد ذخیرہ حضور علیہ السلام کی سیرت و تعلیمات کے سلسلے میں موجود ہے۔

اسلام اور عیسائیت میں ایک بڑا فرق

اسلام اور عیسائیت میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ عیسائیت میں بنی نوع انسان کے لئے نہ کوئی علمی نظریہ ہے نہ عملی پروگرام۔ حیات انسانی کے کسی شعبے کے لئے بھی اس نے کوئی ضابطہ پیش نہیں کیا ہے۔ یاد رہے کہ دور حاضر کی عیسائیت کا اصل بانی پولس ہے۔ یعنی آج جن عقائد و نظریات کی بنیادوں پر مسیحیت قائم ہے ان کا جناب عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات یا ان کے حواریوں کے نظریات سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ یہ پولیس کے عطا کردہ ہیں۔ چنانچہ ممتاز مؤرخین فلائڈ راس (Floyd Ross) اور مسز ہلز (Mrs. Hills) لکھتے ہیں:

Of all the people associated with the beginnings of chrestianity, paul was the most responsible for the turn its beliefs took. He added a new note that determined its future course.

ان سب لوگوں میں جن سے عیسائیت کی ابتداء وابستہ ہے۔ پولس اس تبدیلی کے لئے سب سے زیادہ ذمہ دار تھا جو اس کے عقائد میں آئی۔ اس نے (ان عقائد میں) ایک نئی طرح ڈال جس نے اس کے (عیسائیت کے) مستقبل کی راہیں متعین کیں۔

(Floyd .H.Ross and Tynette Hills, p.137)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مروجہ عیسائیت کے بانی پولس نے خود یہ نظریات کہاں سے لئے؟ اس کا جواب زیورج یونیورسٹی کے فاضل عیسائی پروفیسر آرنلڈ میئر (Arnold Meyer) کی زبانی سنئے۔

"As one asks: whence did St. paul derive his teaching ? The simplest answer would seem to be : By tradition from jesus through the instrumentality of the original apostles."

But the answer given by St. Paul himself is quite different: I received my Gospel not from men, but by a revelation of Jesus Christ."

اگر کوئی سوال کرے کہ پولس نے جو تعلیم دی اسے اس نے کہاں سے اخذ کیا؟ تو اس کا سیدھا سادا جواب تو یہ ہونا چاہیے تھا ان روایات سے جو اسے اصل حواریوں کے ذریعہ پہنچی تھیں۔ مگر جو جواب خود پولس نے دیا ہے، وہ بالکل مختلف ہے۔ (وہ کہتا ہے کہ) میں نے اپنی انجیل انسانوں سے نہیں بلکہ یسوع مسیح کے مکافہ سے حاصل کی ہے۔

(ARNOLD MEYER: JESUS OR PAUL)

پولس خود بھی اس حقیقت کا اعتراف یوں کرتا ہے! "اے بھائیو! میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ جو خوشخبری میں نے سنا وہ انسانوں کی سی نہیں۔ کیونکہ وہ انسان کی طرف سے نہیں پہنچی اور نہ مجھے سکھائی گئی، بلکہ یسوع مسیح کی طرف سے مجھے اس کا مکافہ ہوا۔

انجیل، گلیتوں کے نام پولس کا خط

گویا جدید عیسائیت دارصل "پولس کے مکاشفات" پر مشتمل ہے۔ پولس کے ان مکاشفات کی صحت کیا ہے، یہ تو کوئی اہل نظر ہی بتا سکتا ہے لیکن ہم اتنا ضرور کہیں گے کہ دین کی بنیاد مکاشفات یا خوابوں پر نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ آسمانی کتابوں یا صحیفوں اور انبیاء و رسل کی تعلیمات و تشریحات پر رکھی جاتی ہے۔ اس اصول کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مروجہ عیسائیت کی کوئی بنیاد سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس لئے کہ نہ تو ان کے پاس کسی آسمانی کتاب کا حرف، حرف نسخہ ہے اور نہ اپنے کسی نبی کی سیرت کی کوئی مصدقہ دستاویز۔ اس کے مقابلے میں اسلام نے قرآن میں توحید و رسالت، جزا و سزا، جنت و دوزخ، حرام و حلال، اوامر و نواہی حتیٰ کہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق مکمل ہدایات پوش کی ہیں اور ان کی بہترین تشریح و تفصیل کے لئے پیغمبر اسلام ﷺ کی حیات طیبہ اور آپ ﷺ کے فرمودات مکمل کتاب کی مانند ہمارے سامنے موجود ہیں۔ قرآن وہ کتاب ہے کہ کرہ پر بسنے والا کوئی انسان اس میں تحریف ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ قرآن اتارنے والا کائنات کا خالق و مالک ہے اور اس نے اعلان کر رکھا ہے کہ "انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون"۔

(ترجمہ: ہم نے ہی اس قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمائیں گے۔)

پھر ہر دور میں لاکھوں مسلمانوں نے حفظ قرآن کا اہتمام کیا ہے۔ جہاں کسی نے کوئی زیر،

زیر، شد، مد، غلط پڑھی، بیسیوں لوگوں نے اسے ٹوک دیا کہ یوں نہیں، یوں ہے۔ چنانچہ ایف ایف آر ہتھ ٹاٹ اس بات کا اقرار یوں کرتا ہے:

and that this has remained the same, without any change and alteration (The construction of the Bible and Quran)

یہ کہ قرآن بالکل اصلی حالت میں رہا ہے۔ اس میں آج تک کوئی جیالا، مترجم یا محرف کسی قسم کی تبدیلی یا ترمیم نہیں کر سکا۔ افسوس یہ ہے کہ عہد نامہ جدید و قدیم کی سب کتابوں (بلکہ کسی ایک کتاب) کے بارے میں بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔

یہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ بائبل (BIBLE) ماننے والے خود آگاہ ہیں کہ بائبل کی جمع و تدوین کی پوری تاریخ رڈ و بدل، حذف و اضافہ اور تحریف و ترمیم کی تاریخ ہے۔ کچھ ایسے ہی خیالات کا اظہار برطانوی مصنف مسٹر لیگی، اسٹراس (سیرت مسیح ۱۸۳۵ء) برڈو بائیز (۱۸۷۸ء) ڈاکٹر رائن سن، فلپ دیوین، برمن یونیورسٹی کے پروفیسر ہارنک (waht is christianity) نے کیا۔ نیویارک ٹائمز کی ایک خبر کے مطابق امریکہ میں پریسباٹیرین (presbyterian) کلیسا کی ایک نمایاں برانچ نے اعلان کیا کہ "یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ بائبل غلطیوں سے پاک ہے۔"

ٹائم میگزین، ۱۹۶۹ء کی ایک رپورٹ کے مطابق ۹۵ فیصد عیسائی علماء اور عوام کا یقین ہے کہ بائبل تحریف شدہ ہے۔ جرمنی کے ایک رسالہ "دی اسپگل" نے بڑے بڑے پروفیسروں کے حوالہ سے نیز کوپن ہیگن (ڈنمارک) کے چرچ آف رائل ڈاک یارڈ کا ڈین نے بھی کم و بیش یہی کہا۔

عیسائیت کے بنیادی نظریات

عیسائیت کے دو بنیادی نظریات ہیں۔

(۱) نظریہ تثلیث (trinity) (۲) کفارہ کا نظریہ (Atonement)

(۱) نظریہ تثلیث (trinity)۔ عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم (persons) سے مرکب ہے یہ تین اقانیم کون ہیں جن کا مجموعہ ان کے نزدیک خدا ہے۔ ان کی تعیین میں ان کا اختلاف ہے۔ بعض باپ بیٹے اور روح القدس کو اور بعض باپ، بیٹا اور "کنواری مریم" کو تین اقانیم قرار دیتے ہیں۔ لیکن جب ان سے سوال کیا جائے کہ ان تین میں سے ہر ایک کی انفرادی

حیثیت کیا ہے؟ خدا سے اس کا کیا رشتہ ہے؟ تو بھانت بھانت کی بولیاں سننے میں ملتی ہیں۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ان تین میں سے ہر ایک بذات خود بھی مجموعہ خدا جیسا ہے دوسرے گروہ کے مطابق تینوں میں سے ہر ایک الگ الگ خدا تو ہیں لیکن مجموعہ خدا (Trinity) سے کمتر ہے۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ تین خدا ہی نہیں، خدا تو صرف ان کا مجموعہ ہے۔ ان سب کا کسی ایک طرز فکر یا عقیدہ پر یکجا نہ ہونا ہی ان کے باطل ہونے کی دلیل ہے۔ ہمارے قرآن نے ان باطل نظریات کا رد ان الفاظ میں کیا ہے۔

لقد كفر الذين قالوا ان الله ثالث ثلاثة (پ: ۶۱: ۱۴)

ترجمہ: بے شک کافر ہیں وہ جو کہتے ہیں اللہ تین خداؤں میں سے تیسرا ہے۔

لقد كفر الذين قالوا ان الله هو المسيح ابن مريم (پ: ۶۱: ۱۵)

ترجمہ: بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔

عیسائیت میں خدا کا جو ایک کمزور تصور دیا گیا ہے اس کے برعکس اسلام نے حقیقی الہ کی شان و عظمت یوں بیان فرمائی:

انما الله واحد ط سبحانه ان يكون له ولد (النساء: ۶: ۳)

ترجمہ: اللہ تو ایک ہی خدا ہے۔ پاکی اسے اس سے کہ اس کے کوئی بچہ ہو۔

قل هو الله احد ۱ الله الصمد ۲ لم يلد ولم يولد ۳ ولم يكن له كفوا احد ۴

اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی۔

یہ ہے خدا کا وہ حقیقی اور جاندار تصور جو قرآن نے دیا ہے جبکہ پوری عیسائیت اور اس کی ذریت اس سے خالی ہے۔

۲..... نظریہ کفارہ (Atonement)۔ مسٹر ڈیملرسن کے مطابق یہ نظریہ عیسائی مذہب کی جان ہے اور فی انفسہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ اس کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا (vol. 5) میں درج ہے:

"The doctrine of salvation has taken the most prominent place in the christian faith: so prominent, indeed, that to a large portion of believers it has been the supreme doctrine, and the doctrine of the deity of Jesus has been

valued only because of its necessity on the effect of atonement."

ترجمہ: نجات کے نظریہ کو عیسائی عقیدہ میں نمایاں ترین جگہ حاصل ہے اتنی نمایاں کہ اکثر عیسائی ایمانداروں کے نزدیک یہ عیسائیت کا اعلیٰ ترین نظریہ ہے۔ حتیٰ کہ یسوع کے خدا ہونے کے نظریہ کی اہمیت بھی اس لئے ہے کہ کفارہ کو نہ مٹانے کے لئے اس کا ماننا ضروری ہے۔

اس عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پھانسی کے ذریعے معزومہ موت اور پھر جی اٹھنے سے انسان کی نجات کی صورت پیدا ہوئی اور اس کا ازلی گناہ (Original Sin) معاف ہوا۔ یہ ازلی گناہ کیا تھا؟ جس کی پاداش میں ساری نسل انسانی مجرم بنی ہوئی تھی۔ اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ عیسائی جناب آدم و حوا علیہما السلام اور ان کی نسل کے ہر فرد کو گنہگار مانتے ہیں یہاں تک کہ نبیوں اور رسولوں سے متعلق بھی ان کا اعتقاد یہی ہے کہ یہ گناہوں سے پاک نہ تھے ان کا یہ عقیدہ ہے کہ سب سے پہلا گناہ (جناب) حوا علیہا السلام نے کیا پھر (جناب) آدم علیہ السلام کو اس درخت سے کھانے کی طرف راغب کیا جس کے قریب جانے سے خدا نے روکا تھا۔ تو آدم و حوا علیہما السلام کے اس گناہ سے تمام نسل انسانی گنہگار ہو گئی۔ جس کی وجہ سے مستحق سزا ٹھہری۔ اب ان کی نجات کے لئے ایک ایسی ہستی کی ضرورت تھی جو خود گنہگار نہ ہو۔ اور جناب عیسیٰ علیہ السلام وہ ہستی تھے۔ کیونکہ یہ "ابن اللہ" ہیں۔ باقی آدم و حوا (علیہما السلام) کے بیٹے ہیں۔ اب خدا نے ان سے کہا: "اے پیارے بیٹے مسیح! میں تمام لوگوں کے گناہوں کا بوجھ تیرے سر پر رکھ کر صرف تجھی کو سزا دوں گا۔ تو صلیب پر چڑھ جا اور تین دن تک (معاذ اللہ) لعنت کی موت مردہ رہ کر گنہگاروں کے گناہوں کا کفارہ کر دے تاکہ بنی نوع انسان کی نجات ہو جائے۔" چنانچہ پولس لکھتا ہے: "مسیح نے اپنے آپ کو سب کے فدیہ میں دیا۔" (تیمتھس ۶: ۶)

یہ تو تھوڑا مختصر واقعہ جس کی بنیاد پر پولس نے نظریہ کفارہ کی بنیاد رکھی۔ اگر اس کو تفصیل سے پڑھیں تو اس میں بے شمار تضادات نظر آئیں گے اور ایسے سوالات جنم لیتے ہیں جن کا جواب آج تک عیسائی برادری سے نہیں بن سکا۔ یہاں اتنا بیان کر دینا کافی ہے کہ اگر علمائے عیسائیت کے نزدیک جناب مسیح علیہ السلام کا مصلوب ہونا تمام بنی آدم کا کفارہ ہے تو پھر تو سب کی نجات ہوگی۔ اب کیا ضرورت ہے عیسائیت قبول کرنے کی۔ کوئی عیسائی ہو یا یہودی، ہندو ہو یا مسلمان جب سب کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا تو عیسائیت کی بھی ضرورت نہ رہی۔ تو کیوں علمائے عیسائیت اپنے

مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں۔ کیوں فری ڈیپنریوں سکولوں، کالجوں اور فہام عامہ کے کاموں کی آڑ میں مسیحیت کا پرچار کر رہے ہیں۔

پوری عیسائیت بالخصوص نظریہ کفارہ کا تفصیلی مطالعہ کر کے دیکھ لیں یہی معلوم ہوگا کہ یہ خدا کی شریعت کے باغی اور مجرم ذہنوں کا وضع کردہ ہے۔ جو دراصل تصور سزا ختم کر کے ہر طرح کے گناہوں اور جرائم سے اپنا ذامن آلودہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اپنے تئیں وہ سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے کے مجاز ہیں۔ اور جب سب ان نظریات کے حامل ہو جائیں گے تو اسے گویا ”آئینی حیثیت“ مل جائے گی۔ جب سزا و جزا کا تصور ختم ہو گیا تو مکمل چھٹی مل گئی۔ قتل کرو، زنا کرو، چوری کرو، حرام خوری کرو کسی طرح کی کوئی قدغن نہیں۔ یہاں ہم یہ نکتہ اٹھانے میں بھی حق بجانب ہیں کہ کفارہ کے اعتقاد کے بعد ان کے پاس اپنے ملکوں میں جرائم کی سزاؤں کے قوانین وضع کرنے کا کیا جواز ہے؟ کیا یہ عیسائیت کے ساتھ مذاق نہیں؟ ایک طرف تو کہتے ہیں کہ کفارہ ادا ہو چکا تو پھر جرائم کی روک تھام کے لئے قوانین وضع کرنا پولیس فورس تشکیل دینا اور عدلیہ کا نظام رائج کرنا چہ معنی دارد۔ اسلام اس نظریہ کو یکسر مسترد کرتا ہے اور دو ٹوک اور واضح موقف بیان کرتا ہے:

ولا تذر وازدة وذرا اخرى۔ (سورۃ فاطر آیت ۱۸)

ترجمہ: کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔

نیز فرمایا:

لھا ما کسبت وعلھا ما اکتسبت۔ (بقرہ: ۲۸۶)

ترجمہ: اس کا فائدہ ہے جو اچھا کمایا اور اس کا نقصان ہے جو برائی کمائی۔

گناہ بنی آدم نے کیا تو جناب مسیح علیہ السلام گناہگار کیوں اور کیوں کسی کی سزا سمجھتیں۔ گناہ کوئی کرے اور وبال کسی پر ہو یہ تو عدل و انصاف اور فکر و عقل کے تقاضوں کے خلاف ہے کوئی معقول اور باشعور ماخ اس نظریہ کا حامل نہیں ہو سکتا۔ خود بائبل میں ایک جگہ اس کے خلاف بات کہی گئی ہے:

بیٹوں کے بدلے باپ دادا نہ مارے جائیں اور نہ باپ دادا کے بدلے بیٹے مارے جائیں بلکہ ہر آدمی اپنے ہی گناہ کے لئے مارا جائے۔

یہ سوال بھی بڑی شد و مد کے ساتھ ذہن میں ابھرتا ہے کہ کیا خدا قادر مطلق نہیں ہے؟ ہے اور یقیناً ہے تو پھر وہ ”بیٹے کی قربانی“ اور فدیہ کے بغیر اسے معاف نہیں کر سکتا۔ اسی تناظر میں

دیکھیں تو سمجھ آ جائے گی کہ خدا سے متعلق ان کا اعتقاد و یقین کتنا منفی اور کمزور ہے۔ ان کی نظر میں خدا کس قدر مجبور تھا (معاذ اللہ) کہ بغیر جناب عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کئے وہ کسی کو بخش نہ سکتا تھا۔ پھر کفارہ پر مبنی انسان کی فلاح و نجات کے اس مزمومہ ”خدا کے منصوبے“ کا ایک اور مضحکہ خیز اور لغو پہلو یہ بھی ہے کہ مسیح جو اس کے مرکزی کردار ہیں وہ (ان کے نظریے کے مطابق) نہ تو اس کی ضرورت و اہمیت سے باخبر ہیں نہ دل و جان سے اس میں شریک۔ چنانچہ انجیل کہتی ہے:

وہ ٹمکن اور بے قرار ہونے لگے اور منہ کے بل کر یوں دعا کرنے لگے کہ اے میرے باپ

اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ہٹ جائے۔ (متی) اگر وہ اس خدائی منصوبے میں شریک تھے

تو پریشان ہونے اور یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ ”یہ پیالہ مجھ سے ہٹا دے“۔

نیز اس مذہب کے پیشوا یہ ثابت کرنے میں بھی ناکام رہے ہیں کہ جناب مسیح علیہ السلام صلیب دیئے گئے تھے۔ اس بارے میں یہ متفق نہیں ہیں اسی طرح ان کے صلیب دیئے جانے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کی بات کسی ٹھوس دلیل کے بغیر کر گئے ہیں۔ جیسا کہ محققین نے اعتراف کیا:

(An) eventwhich, however, no eye saw.

البتہ (جی اٹھنے) کا یہ واقعہ کسی آنکھ نے نہیں دیکھا۔

(Adolf Harnack: History of Dogma, London, 1961)

اور آخری بات یہ کہ اس میں بھی اناجیل کا اختلاف ہے کہ جی اٹھنے کے بعد وہ کہاں گئے۔ یہ ساری بحث تفصیل طلب تھی جسے ہم نے مختصر ترین شکل میں پیش کیا اور جو نتیجہ اس بحث سے برآمد

ہوا وہ یہ ہے کہ بقول ہیوشون فیلڈ (Dr. Hugh Schonfield)

"Christianity today is about as far from the teaching of Jesus as from those of Hinduism."

آج کی عیسائیت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے اتنی دور ہے جتنی کہ وہ ہندومت کی تعلیمات سے دور ہے۔

(The Daily, "Today" London, March 28, 1986)

نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ جدید عیسائیت کا ہر عقیدہ و نظریہ سراسر انسانی تفکرات و توہمات اور مکاشفات پر مبنی اور خدائی و نبوی تعلیمات سے دور ہے جبکہ اسلام اپنی اصل ترین شکل پر قائم تحریف و تبدل سے پاک اور خدا (جل جلالہ) و رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف سے عطا کردہ عقائد و نظریات اور تعلیمات پر مبنی سچا دین ہے۔

شادی بیاہ کے مواقع پر غیر شرعی رسومات

ڈاکٹر فوزیہ فیاض، پرنسپل جامعۃ النور، لاہور

شادی بیاہ کے موقع پر فحاشی، عریانی اور خلاف شریعت ایسی رسومات جو اسلامی معاشرہ کی اقدار اور اخلاق کا جنازہ نکال دیتی ہیں ان کے متعلق شرعی احکامات کیا ہیں؟ آئیے دیکھتے ہیں۔

جو امور خلاف شریعت شادی بیاہ میں شامل ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) ڈھولک بجانا۔ (۲) دولہا کو مہندی لگانا۔ (۳) مووی بنانا۔ (۴) فضول خرچی۔ (۵) ناچ گانا۔ (۶) لڑکوں اور لڑکیوں کا خٹلاط۔

اب معاشرتی نقطہ نظر اور شرعی حیثیت سے مندرجہ بالا امور پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

ڈھولک بجانا:

اسلامی ممالک خصوصاً ہمارے ملک میں یہ نحوست بھی رواج پاگئی ہے کہ ڈھولک بجائے بغیر شادی مکمل نہیں ہوتی بعض جاہل عورتیں تو یہاں تک کہہ دیتی ہیں کہ ”شادی تاں جدی ہے بچے منڈے دی ماں“۔

جیسے ہی نکاح کی تاریخ مقرر ہوتی ہے روزانہ ڈھولک بجانا گویا ہمارا معاشرتی فرض بن جاتا ہے شرعی نقطہ نظر سے آلات موسیقی کے متعلق حکم ملاحظہ فرمائیے!

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک چرواہے کی بانسری کی آواز کو سنا تو اپنی اگلیوں کو کانوں میں ڈال لیا پھر راستے سے ہٹ گئے اور مسلسل فرماتے رہے اے نافع کیا تم بانسری کی آواز سن رہے ہو حتیٰ کہ انہوں نے عرض کیا، نہیں پھر انہوں نے اگلیاں کانوں سے نکال لیں، اور فرمایا میں نے حضور اکرم ﷺ کو ایسا ہی کرتے دیکھا۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آلات موسیقی کا سننا ممنوع ہے اور نبی کریم ﷺ کو ناپسند بھی ہے۔

دولہا کو مہندی لگانا:

ہمارے معاشرہ میں رسم حنا (تیل مہندی) کے موقع پر دولہا کے ہاتھوں پر بھی مہندی لگائی

جاتی ہے اور باقاعدہ ایک فنکشن ہوتا ہے جس میں تمام خواتین جن میں نامحرم عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں دولہا کے ہاتھ پر باری باری مہندی لگاتی ہیں اور ایک زیور (گائتا) بھی اس کے ہاتھ پر باندھتی ہیں اور یہ ہندوانہ رسم ہے جسے راکھی باندھنا کہتے ہیں۔ یاد رکھیں! (مرد حضرات سر کے بالوں پر مہندی (سرخ) لگا سکتے ہیں مگر شریعت نے مرد کو ہاتھ اور پاؤں پر زینت کے لئے مہندی لگانے کی اجازت نہیں دی) اور نامحرم عورتوں کا دولہا کو چھونا بھی حرام ہے اور کسی بھی زیور کا استعمال مرد کو مکروہ ہے سوائے چاندی کی ایک انگوٹھی کے جس کا وزن ساڑھے چار ماشہ ہو۔ شادی کے موقع پر سونے کی انگوٹھی بھی اب دولہا کے لئے پہننا لازمی سمجھی جاتی ہے جو بالکل خلاف شرع ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (مردوں کو) سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔ (مسلم شریف)

مووی بنانا:

شادی کے موقع پر تصویریں بنانا اور مووی بنانا گویا فرض اولین سمجھا جاتا ہے، کتنی حیرت کی بات ہے کہ لوگ خود ایک غیر محرم کو بلاتے ہیں کہ جو گھر آ کر ان کی نجی سنوری بنیوں، بہنوں اور ماؤں کا ہر زوایے سے، ہر ہر پوز اپنے کیمرے میں محفوظ کرتا ہے، یہاں تک کہ دولہن جو اس روز فقط اپنے دولہا کے لئے بجتی سنورتی ہے اسے بھی دولہا بعد میں دیکھتا ہے مووی بنانے والے ہر نظارے سے پہلے ہی لطف اندوز ہو جاتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جو لوگ تصویریں بناتے ہیں انہیں قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا اب ان کو زندہ کرو۔ (مسلم شریف)

اس میں کاغذی تصویر، مجسمہ سازی، کیمرہ کا عکس سب شامل ہیں۔

فضول خرچی:

قارئین! ایوں، تیل مہندی، آتش بازی، مووی وغیرہ جیسی ناجائز رسوں پر جو پیسہ خرچ ہوتا ہے وہ کس کھاتے میں جاتا ہے ہم کتنے بے وقوف لوگ ہیں کہ پہلے تو اپنے خون پسینے کی حلال کمائی کو حرام کاموں میں اُجاڑ کر خوش ہوتے ہیں کہ معاشرہ میں واہ واہ ہوگئی اور پھر ان حرام رسوں میں پیسہ خرچ کر کے جو گناہ کھاتے ہیں اس کا بوجھ بھی اپنی قبروں پر ڈال لیتے ہیں۔

قرآن پاک میں ہے ”فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں“۔

ایک فضول خرچی دوسرا گناہوں کا بوجھ، یہ دو گناہوں کے سودے ہم ان بیہودہ اور ناجائز رسوں کے ادا کرنے میں کرتے ہیں۔

ناج گانا

شادی بیاہ کے موقع پر تیل مہندی جیسی رسم میں بدترین قباحت ہماری مسلمان بچیوں کاج سنور کر مہندی کے قمال ہاتھوں میں اٹھائے دولہا یا دولہن کے گھرناچنے، رقص کرتے اور ڈھولک بجاتے ہوئے جاتا ہے اور بعض اوقات تو بازاروں میں سے بھی گزرا جاتا ہے اور اب تو میوزیکل گروپ بھی یعنی ناچنے گانے والوں کو باقاعدہ بلایا جاتا ہے۔ شرعی حیثیت سے گانا بجانا کیسا ہے ملاحظہ فرمائیے: حدیث شریف میں ہے کہ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے گانے والی لوٹڑی اس کی بیچ اس کی قیمت اور اس کی تعلیم کو حرام قرار دیا ہے۔ (صحیح الزوائد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے شیطان نے نوحہ کیا اور اسی نے گایا۔ (صحیح الزوائد)

قارئین محترم! گانے بجانے اور نوحہ کرنے کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ دونوں حرام ہیں اور ابلیس کی ایجاد ہیں:

اللہ تعالیٰ نے عورت کو نہ صرف ستر (چھپانے کی چیز) بنایا ہے بلکہ اس کی آواز کو بھی ستر بنایا ہے حتیٰ کہ عورت اذان بھی نہیں دے سکتی اور جہاں تک بن سنور کر بے پردہ گھر سے نکلنے کا تعلق ہے تو ارشاد باری تعالیٰ ہے: اپنا پاؤں زور سے زمین پر مت مارو کہیں تمہارا پوشیدہ زیور ظاہر نہ ہو جائے۔ (سورہ النور: ۳۱)

جب اللہ تعالیٰ کو عورت کے زیور کی آواز کا اظہار بھی پسند نہیں تو پھر خود عورت کا غیر مردوں کے سامنے بن ٹھن کر جانا، گانا اور رقص کرنا کس قدر ناپسند ہوگا۔ جب عورت اپنے گھر میں اپنے رب کے حضور حالت نماز میں کھڑی ہوتی ہے تو حکم ہے کہ چہرہ، دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کے سوا سب کچھ چھپا ہو، مقام غور ہے کہ رب کریم کے حضور حاضری کا طریقہ تو یہ ہے کہ سب کچھ چھپا

ہو، نہایت عاجزی سے نظر زمین پر رکھی ہو اور خشوع و خضوع کا اظہار ہو جبکہ شادی بیاہ پر ناخوشوں کے سامنے عورتوں کاج سنور کر بے پردگی کا مظاہرہ اور پھر ناچنا گانا یہ کون سے اسلام کے ماننے والوں کا طریقہ ہے۔

لڑکے اور لڑکیوں کا اختلاط:

شادی کے موقع پر معاشرے کی بنائی گئی تمام رسمیں مایوں، مہندی، بارات، ولیمہ، مقلادہ وغیرہ میں عورتوں اور مردوں کا اختلاط ہوتا ہے۔ ان تمام رسوں میں سے صرف دعوت ولیمہ اور نکاح ”سنت“ ہے۔ باقی مایوں، مہندی، مقلادہ وغیرہ یا تو غیر مسلموں کی عادات ہیں یا جہالت کی وجہ سے بنائی گئیں ابلیسی رسمیں ہیں اور شیطان کے بہکاوے ہیں کہ خوشی کا موقع ہے کیا خوشی کے موقع پر ہم پر شرعی احکامات لاگو نہیں ہوتے؟

مقام فکر:

قارئین کرام! اسلام سچا اور آسان دین ہے لیکن اسلام کے ماننے والوں نے اسلام سے جہالت اور کم علمی کے باعث اسے پیچیدہ بنا لیا ہے، اکثر یہ بات سننے میں آتی ہے کہ فلاں کی چچیاں غربت کے باعث بیٹی بیٹی بوڑھی ہو رہی ہیں شادی کے لئے رقم نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح ایک عبادت اور سنت ہے اور اس کے لئے ایجاب و قبول اور گواہ ضروری ہیں، کس نے کہا ہے کہ نکاح سے پہلے مایوں اور تیل مہندی کے نام پر ہزاروں روپیہ بھی خرچ کیا جائے (جو اکثر غریب لوگ قرض لے کر کرتے ہیں) اور بے حیائی اور فحاشی کا بھی انتظام کیا جائے۔ یا نکاح کے موقع پر ہزاروں لوگوں کو جمع کیا جائے بارات کے ساتھ ڈھول اور پیڑ بجانے والوں کو، مودی بنانے والوں کو بلایا جائے اور دولہا کو بھی سنوری قیمتی گاڑی یا بگھی میں لے جایا جائے۔ حیرت کی بات ہے کہ دولہا کون سا جہاد کا میدان فتح کرنے جا رہا ہے ایک سنت اور عبادت کی ادائیگی پر لاکھوں کی فضول خرچی کہاں کی عقل مندی ہے؟ کیا انبیائے کرام، اولیاء کرام کے نکاح نہیں ہوئے کیا صحابہ کرام علیہم الرضوان نے شادیاں نہیں کیں؟ ایسی خلاف شریعت خرافات ہمیں دور نبوی ﷺ اور دور خلفائے راشدین یا تابعین کے دور میں نہیں ملتیں۔

اللہ رب العزت نے تو مرد کو ہی کفیل بنایا ہے۔ غور کریں۔ بیٹی پیدا ہوتے وقت سے ہی باپ کی پرورش میں ہے، شادی ہو تو مہر، نان نفقہ، رہائش سب شوہر کی ذمہ داری ہے، اور ماں بن کر بھی

اولاد کا خرچہ، کھانا پینا عورت کے ذمہ نہیں (یہاں تک کہ اولاد کی طرف سے صدقہ فطر بھی ماں پر لازم نہیں ہے۔) اسلام نے بیٹی کی ذمہ داری کا بوجھ والدین پر صرف اس کا نکاح کر دینے تک ڈالا ہے (سنت کے مطابق) بقایا ساری ذمہ داری کسی نہ کسی طرح مرد یعنی شوہر پر ہی رکھی ہے والدین کی ذمہ داری صرف تربیت تک محدود ہے۔ اب اگر والدین نے بیٹی کی شادی پر فضول اور غیر شرعی رسوم کو ضروری سمجھ لیا تو اس میں کس کا قصور ہے؟ ان کی اپنی جہالت ہے اسلام کا حکم نہیں ہے۔

ان غیر شرعی رسوم کو ادا کرنے میں سارا قصور صرف عورتوں کا نہیں بلکہ مردوں کا بھی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے: الرجال قوامون علی النساء "مرد عورتوں کے محافظ ہیں" (بعض لوگ اس سے مراد حاکم لیتے ہیں لیکن مصباح اللغات میں "قوام" سے مراد "مگرانی کرنے والا" ہے۔) اللہ تعالیٰ نے "مردوزن" دونوں کی ذمہ داریاں جدا جدا رکھی ہیں اگر ان میں سے کوئی دوسرے کی ذمہ داری ادا کرنے میں غفلت کا مظاہرہ کرے تو بگاڑ لازم ہے۔ عورتوں کی بد قسمتی یہ ہے کہ زیادہ تر خواتین تعلیم حاصل نہیں کرتیں اور اگر کچھ عورتیں تعلیم حاصل کر لیں تو وہ رکی ہوتی ہے دینی تعلیم نہیں ہوتی۔ یہ رئیس مایوں، تیل مہندی، مقلادہ وغیرہ اور ہارات میں گانے باجے دعوت و لہجہ میں تاج گانے کی محفلیں، یہ سب غیر شرعی امور ہیں لیکن ان کا انتظام کروانے والی زیادہ تر خواتین اور کرنے والے ہمارے مرد حضرات ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے بیرونی امور اور نگہداشت کی ذمہ داری مرد پر ڈال دی ہے تو وہ مرد کیوں اس سے غافل ہیں، قطرہ قطرہ پسینہ بہا کر جو کمائی وہ عورت کے ہاتھ پر رکھتا ہے۔ پھر کیسے اس کمائی کو یوں فضول خرچیوں کی نظر ہوتا دیکھتا ہے۔ جب اس کی بیوی، بیٹیاں، بہنیں بن سنور کر غیر مردوں کے ساتھ تیل مہندی جیسی رسم میں مل کر تاج پتی گاتی ہیں یا بے پردہ ان کے ساتھ باہر نکلتی ہیں تو ان کی غیرت کیوں نہیں جاگتی۔ کسی نے سچ کہا ہے! "بے پردہ عورت بے حیا باپ، بے حیا شوہر اور بے حیا بھائی کی علامت ہے۔"

مرد حضرات اپنی ذمہ داری سے غفلت کیوں برتتے ہیں مرد اگر شوہر ہے تو بیوی کو کنٹرول میں رکھے۔ باپ ہے تو بیٹی کو کنٹرول میں رکھے، بھائی ہے تو بہنوں کو کنٹرول میں رکھے۔ مرد شادی بیاہ جیسے معاملات کو محض یہ کہہ کر کہ "یہ عورتوں کے کام ہیں"۔ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

حدیث پاک میں ہے: تم میں سے ہر ایک کو اپنی رعایا (زیر تربیت) کے متعلق جواب دینا ہے۔ کیا ہم مرد عورتوں کے سامنے اتنے بے بس ہو جاتے ہیں کہ اپنی عزت و شرافت کا جنازہ (دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور خود غیر مردوں کو دعوت دے کر اپنی شادیوں میں بلا لیتے ہیں پھر اپنی بیوی بیٹیوں اور بہنوں کو سچا سنوار کر ایک جگہ جمع کرتے ہیں پھر اس بے غیرتی کو فنکشن کا نام دے دیتے ہیں۔ قیامت کی نشانیوں میں گھر گھر تاج گانا ہونا اور مرد کا بیوی کو قبلہ بنانا بھی شامل ہے۔

قارئین کرام! میں عورتوں پر تنقید یا مردوں کی مذمت نہیں کرنا چاہتی صرف اور صرف جو غفلت ہم اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں برت رہے ہیں اس کا احساس دلانا چاہتی ہوں۔ اگر نکاح جیسی سنت رسم میں سے ان فضول رسوم کو نکال دیا جائے تو کیا نکاح کرنا آسان نہیں ہو جائے گا پھر کسی کی بیٹی سر میں چاندی سجائے بوڑھی تو نہیں ہو جائے گی کیا معاشرہ سے ان تمام برائیوں کا جو شادی بیاہ کے موقع پر جنم لیتی ہیں خاتمہ نہیں ہو جائے گا۔ ہم کیسے مسلمان ہیں جب ہم پر کوئی غم کا پہاڑ ٹوٹ جائے کوئی قریبی عزیز فوت ہو جائے تو ہمیں خدا، قرآن خوانی، محفل میلاد یا د آ جاتے ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ ہم پر کرم فرما ہو اور ہمیں خوشی عنایت فرمائے کسی بچے کی شادی ہو تو ہم اہلبیٹس کے بندے بن جاتے ہیں اور ہر وہ کام کرتے ہیں جس سے شیطان خوش ہو جائے۔ ہم تکلیفوں میں خدا کو یاد کرتے ہیں تو خوشیوں میں کس کو یاد کرتے ہیں؟ شیطان کو یاد کرتے ہیں حالانکہ خوشیوں میں بھی خدا کو یاد رکھنا چاہیے۔ کیا ہمارے مسلمان بھائی اب بھی ہوش کے ناخن لیں گے یا یونہی ہماری عزتوں کے جنازے ہر شادی والے گھر سے نکلتے رہیں گے۔ کیا ہمارے مسلمان بھائی اپنے خون پسینے کی کمائی یونہی ضائع ہوتے حرام کاموں میں لگاتے رہیں گے، کیا وہ اپنے گھر میں ہر غیر شرعی حرام کاموں کو ہوتا دیکھ کر خاموش ہی رہیں گے یا کوئی بارش کا پہلا قطرہ بن کر فیصلہ کرے گا کہ "آئندہ ہم یہ غیر شرعی حرام کاموں کو سختی سے بند کریں گے"

کیا یہی اچھا ہو کہ ہم نکاح سادگی سے کریں جو روپیہ پیسہ غیر شرعی اور حرام کاموں میں خرچ ہوتا ہے وہ دولہا اور دلہن کو کسی تحفہ کی صورت میں یا پلاٹ وغیرہ کی صورت میں دے دیا جائے جو مستقبل میں ان کے کام بھی آئے یا رقم یا عمرہ وغیرہ کا ٹکٹ دے دیا جائے کا فہم یہ غلط کام چھوڑ دیں اور غیر شرعی اور ناجائز کاموں کے لئے اور معاشرے میں اپنی ناک بچانے کے لئے قرضے لینا، زکوٰۃ لینا اور دوسروں سے مانگنا چھوڑ کر جتنی چادر ہے اتنے پاؤں پھیلا لیں لوگ اکثر صدقہ زکوٰۃ لے کر ان حرام کاموں کا انتظام کرتے ہیں۔ (بقیہ صفحہ نمبر 30 پر ملحقہ فرمائیں)

آپ کے دینی مسائل اور ان کا حل

سوال..... بعض حضرات ایصال ثواب کرتے وقت بخشے کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں "ان کلمات وطعام کا ثواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بخشا ہوں" ایسا کہنا درست ہے یا نہیں؟ (قاری محمد افضل، لاہور)

جواب..... بخشا ہمیشہ بڑے کی طرف سے چھوٹے کو ہوتا ہے اور کسی بھی چیز کا ثواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بخشا بے ادبی ہے چنانچہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ "حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی اور نبی یا ولی کو ثواب بخشا، کہنا بے ادبی ہے۔ بخشا بڑے کی طرف سے چھوٹے کو ہوتا ہے، بلکہ نذر کرنا یا ہدیہ کرنا کہے۔ (فتاویٰ رضویہ ۲۶/۶۰۹)

سوال..... بیعت بذریعہ خط و کتابت ممکن ہے یا نہیں اگر ہے تو اس کی صورت کیا ہوگی؟

جواب..... بیعت کی شرائط میں سے مرید کی طرف سے بنیادی شرط یہ ہے کہ "طالب کی طرف سے ارادت ہو" اور ارادت فعل قلب ہے جس کا اظہار کئی طرح سے ممکن ہے جن میں سے ایک طریقہ قلم کے ذریعہ اظہار ہے لہذا بذریعہ خط و کتابت بیعت ممکن ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ طالب مرشد کو بذریعہ خط انہیں طلب ارادت کی اطلاع اور قبولیت کی درخواست کرے اگر شیخ قبول کرے اس کی اطلاع طالب کو دے دیں تو یہ شخص مرید ہو گیا۔ اس کی تائید فتاویٰ رضویہ جلد ۲۶ صفحہ ۵۶ پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اس ارشاد سے ہے "بیعت بذریعہ خط و کتابت ممکن ہے، یہ اسے درخواست لکھے وہ قبول کرے اور اپنے قبول کی اس درخواست دہندہ کو اطلاع دے اور اس کے نام کا شجرہ بھی بھیج دے مرید ہو گیا، کہ اصل ارادت فعل قلب ہے۔ والقلم احد التمسکین بقلم ووزبانوں میں سے ایک زبان ہے۔

سوال..... میں اپنے ایک بیٹے کو اس کی غلط حرکات کی وجہ سے اپنی جانکاد سے عاق کرتا چاہتا ہوں براہ کرم عاق کی شرعی حیثیت واضح فرمائیں؟ (ڈاکٹر احمد علی، کراچی)

جواب..... شریعت میں عاق یعنی اولاد کو اپنی جائیداد سے محروم کرنے کا کوئی تصور نہیں ہے اور اس کے لئے اولاد کا خدمت گزار و دُوب ہونا کوئی شرط نہیں ہے، والدین کی ناراضگی سخت محرومی کا سبب ہے لیکن اس کی وجہ سے اولاد ترکہ سے محروم نہ ہوگی، ہم اس کی تفصیل کے لئے اس

سے قریب ترین ایک سوال کا جواب جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے منقول ہے درج کرتے ہیں "بے علموں کے ذہن میں یہ ہے کہ جس طرح عورت کا علاقہ زوجیت قطع کرنے کے لئے شرع مطہر نے طلاق رکھی ہے کہ اس کا اختیار بدست شوہر ہے اور اس کے لئے کچھ الفاظ ہیں کہ جب شوہر سے صادر ہوں طلاق واقع ہو یوں ہی اولاد کا علاقہ ولدیت قطع کرنے کے لئے عاق کرنا بھی کوئی شرعی چیز ہے جس کا اختیار بدست والدین ہے اور اس کے لئے بھی کچھ الفاظ مقرر ہیں کہ والدین ان کا استہلال کریں تو اولاد عاق ہو کر ترکہ سے محروم ہو جائے مگر یہ محض تراشیدہ خیال ہے جس کی اصل شرع مطہر میں اصلاً نہیں، نہ علاقہ ولدیت وہ چیز ہے کہ کسی کے قطع کئے منقطع ہو سکے مگر معاذ اللہ بحالت ارتداد۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ (اگر اولاد مرتد ہو جائے تو ترکہ سے محروم ہو جائے گی اللہ تعالیٰ کی پناہ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ فرمائے)..... آگے چل کر مزید فرمایا کسی مخالف شرع بات میں ان کا کہنا نہ مانے اور وہ اس سبب سے ناخوش ہوں تو ہرگز عاق نہیں، اگر کوئی شخص لاکھ بار اپنے فرما پر دار خواہ نافرمان بیٹے کو کہے کہ میں نے تجھے عاق کیا یا اپنے ترکہ سے محروم کر دیا تو نہ اس کا یہ کہنا کوئی نیا اثر پیدا کر سکتا ہے نہ وہ بدیں وجہ ترکہ سے محروم ہو سکے۔ (فتاویٰ رضویہ ۲۶/۸۵)

سوال..... حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ مدینہ طیبہ میں سواری پر سوار نہ ہوتے تھے، اس روایت کی اصل کیا ہے؟ (مولانا محمد اسلم، شیخوپورہ)

جواب..... درست ہے، روایت کچھ اس طرح ہے، کان مالک رضی اللہ عنہ لا یرکب بالمدینۃ دابة، کان یقول استحیی من اللہ تعالیٰ ان اطأ تربة فیہا رسول اللہ ﷺ بحافض دابة، یعنی امام مالک رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں سواری پر سوار نہ ہوتے اور فرماتے تھے مجھے شرم آتی ہے خدائے تعالیٰ سے کہ جس زمین میں رسول اقدس ﷺ جلوہ فرما ہوں اسے جانور کے سُم سے روندوں، اور اس روایت کا حوالہ یہ ہے۔

(الاشفاء، اقسام الثانی، الباب الثالث فصل من تویرہ ۸۴/۲)

سوال..... حنفی فقہ میں امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سجدہ سہو واجب ہیں اور موجودہ فقہ مبارک میں یہی مختار مذہب ہے لیکن امام صاحب امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ اس پر سوال یہ ہے کہ راجح مختار مذہب میں امام اعظم کے مطابق فتویٰ کیوں نہیں اسی پر مزید یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر امام صاحب ابوحنیفہ کے نزدیک سجدہ سہو سنت ہے تو پھر سہو واقع ہونے کی صورت میں نماز سجدہ سہو کے بغیر بھی ادا ہو جانی چاہئے، مہربانی فرما کر اس بارے میں فرمائیں

کہ مسئلے کا صحیح حل کیا ہونا چاہیے۔؟ (محمد اجمل، لاہور)

جواب..... امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک سجدہ سہو واجب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ امام ناصر الدین ابوقاسم محمد بن یوسف سمرقندی فرماتے ہیں۔

”الحسن عن ابی حنیفۃ انه زاد فی القعدۃ الاولیٰ علی قولنا عبدہ ورسولہ فعلیہ سہو“۔

حسن ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے قعدہ اولیٰ میں ”عبدہ ورسولہ“ پر زیادتی کی تو اُن پر سجدہ سہو واجب ہو گیا۔“ (الملتقط فی الفتاویٰ الحنفیہ ص ۳۵)

اسی طرح الامام الحافظ المجدد الربانی ابو عبد اللہ محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قلت: وکل من وجب علیہ سجدة السهو یسجد ہما بعد التسليم ويتشهد فہما ویسلم؟ قال نعم“

محمد بن حسن شیبانی نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جس پر دو سجدے واجب ہوں کیا وہ اسلام کے بعد دو سجدے کر کے پھر دوبارہ تشهد پڑھ کر سلام پھیرے گا تو امام صاحب نے ارشاد فرمایا ہاں۔ (المبسوط ۲۲۵/۱)

پس واضح ہو گیا کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک بھی سجدہ سہو واجب ہے جو سنت ہونے کا قول امام صاحب کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ احناف کی کسی مستند کتاب کا حوالہ دیں۔

☆☆☆.....☆☆☆.....☆☆☆

﴿بیانِ ہمت کرو﴾

☆..... بے تحقیق بات

☆..... خود غرض کے سامنے اپنی مصیبت

☆..... کسی کے سامنے اپنی بے حیائی کے قصے

☆..... کمزور کے سامنے اس کی کمزوری

☆..... بیوی کے سامنے غیر عورت کی تعریف

☆..... اپنی زبان سے اپنی خوبیاں

(مراسلہ: محمد اسلام، لاہور)

جامعہ نظامیہ رضویہ

کی خدمات پر ایک نظر

- ★ جامعہ نظامیہ رضویہ ریس لکچرشن، ملام الاتقیاء حضرت مفتی عظیم مفتی محمد عبدالقیوم مدظلہ العالی کی ہمیشہ رہنے والی بے مثال یادگار ہے۔
- ★ جامعہ ہذا عرصہ 56 سال سے دینی و ملی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔
- ★ جامعہ ہذا سے اب تک ہزاروں علماء، قراء اور حفاظ فارغ ہو چکے ہیں۔
- ★ بلجیم، برطانیہ، امریکہ، سوئی، بھارتی اور ساؤتھ افریقہ میں جامعہ کے بے شمار فضلاء خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔
- ★ جامعہ ہذا نے لاہور کے علاوہ شیخوپورہ، امیٹ آباد و دیگر شہروں میں بھی دینی تعلیم کے تقریباً 80 مکاتب قائم کیے ہیں۔
- ★ جامعہ ہذا کے زیر اہتمام تقریباً 7000 ہزار طلبہ و طالبات کے قیام و طعام کتب، علاج معالجہ اور دیگر جملہ ضروریات کا انتظام و انصرام جامعہ کی طرف سے مفت کیا جاتا ہے۔
- ★ جامعہ ہذا میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے علوم اسلامیہ کی ابتداء سے لے کر اعلیٰ درجات تک معیاری تعلیم دی جاتی ہے۔ جبکہ حالات حاضرہ کے تحت جدید علوم ریاضی، انگلش، سائنس، کمپیوٹر وغیرہ میں تک تعلیم کا بھی خصوصی انتظام ہے۔
- ★ جامعہ ہذا میں 300 سے زائد مدرسین و علماء کرام تعلیم دے رہے ہیں۔
- ★ جامعہ ہذا کے دارالافتاء سے مسلمانوں کی دینی مسائل میں راہنمائی کی جاتی ہے۔
- ★ جامعہ ہذا کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فقط اپنے اہل خیر بندوں کے ذریعے دین کا یہ عظیم الشان کام لے رہا ہے۔
- ★ جامعہ کی مالی حالت..... بوجہ مستقل ضروری اخراجات اور تعمیر کے..... اہل خیر کی خصوصی توجہ کی مستحق ہے۔

نوٹ

جامعہ کے منتظمین، اساتذہ اور معاونین ان مفید اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے شب و روز کرم عمل ہیں۔ جامعہ کا سالانہ سیرانیہ 2,50,000.00 (اڑھائی کروڑ) سے تجاوز ہے۔ آپ اپنی گونا گوں مصروفیات سے وقت نکال کر جامعہ کی ضروریات سے حیدر آگاہی کے لئے خود شریف لائے یا پھر گھر بیٹھے جامعہ کی ویب سائٹ کا وزٹ کیجئے

www.jamianizamiazrizvia.com

Account Number of Jamia Nizamia Rizvia
0177-3461-0, 0177/4500-1
MCB Shah Allam Market Lahore